Globethics Repository

Kitab al-Bid'ah 1 (Part 1)

This page was generated automatically upon download from the Globethics Repository. More information on Globethics see https://www.globethics.net. Data and content policy of Globethics Repository see https://repository.globethics.net/pages/policy.

Item Type	Book
Authors	Al-Qodiri, Muhammad Thohir
Publisher	ManshuratMinhaj al-Quran
Rights	With permission of the license/copyright holder
Download date	2026-07-08 22:58:39
Link to Item	http://hdl.handle.net/20.500.12424/186027

کتاب البدعة

﴿بدعت کا صحیح تصور﴾

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

❁❁❁

تحقیق و تدوین

محمد افضل قادری

منہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

www.MinhajBooks.com

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاج القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	**کتاب البدعة**
تصنیف	:	**شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری**
تحقیق و تدوین	:	محمد افضل قادری
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّت ؒ ریسرچ اِنسٹیٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	اپریل 2006ء
تعداد	:	1,100
قیمت امپورٹڈ پیپر	:	-/350 روپے

ISBN # 969-32-0554-5

نوٹ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو / وِڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لئے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لئے وقف ہے۔

ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز

sales@minhaj.biz

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

آیَاتُ حَقٍّ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثَةٌ

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔ا) ۴-۱/ ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چِٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴/ ۰۷۰-۹-۳، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چِٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔ا/ اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چِٹھی نمبر س ت/ اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/ ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرست

صفحہ	عنوانات
	باب : ۱
۱۹	**بدعت کا معنی و مفہوم**
۲۲	بدعت کا لُغوی مفہوم
۲۵	بدعت کا اِصطلاحی مفہوم
۳۱	بدعت کا حقیقی تصور
۳۳	''أَحْدَثَ'' کے بعد ''مَا لَيْسَ مِنْه'' فرمانے میں حکمت
۳۴	''لَيْسَ فِيْهِ'' اور ''لَيْسَ مِنْهُ'' میں فرق
۳۵	مغالطے کا اِزالہ اور ''فَهُوَ رَدٌّ'' کا درست مفہوم
	باب : ۲
۳۷	**تصورِ بدعت کی درست تعبیر**
۳۹	**فصل اول: بدعات کا آغاز حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد ہوا**
۴۲	اَحادیثِ نبویہ سے استدلال
۴۳	وضاحت

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

صفحہ	عنوانات
۴۵	اہم نوٹ
۵۳	فصل دوم: فتنوں سے بچنے کے لئے اِتباعِ رسول ﷺ اور اِتباعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا حکم
۵۵	اَحادیثِ مبارکہ سے وضاحت
۶۲	خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں اہلِ بدعت کا خصوصی ذکر
۶۳	بدعتِ ضلالت کے دائرے کا تعین
۶۵	ایک علمی مغالطہ
۶۷	فصل سوم: اِحداث فی الدین سے مراد اِرتداد کے فتنے ہیں
۶۹	ایک غلط فہمی کا اِزالہ
۷۱	اَحادیثِ مبارکہ سے تائید
۷۳	وضاحت
۷۸	اِحداث فی الدین سے مراد تغیّر فی الدین ہے
۸۳	فصل چہارم: فتنہء اِحداث و بدعات کا تعلق دورِ خلفاء راشدین سے ہے
۸۸	امام بخاریؒ کا مؤقف
۹۰	حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال
۹۱	امام ابنِ حجر عسقلانیؒ اور امام ابنِ عبدالبر کا موقف

عنوانات	صفحہ
فصل پنجم: تاریخِ اسلام اور آغاز بدعت	۹۵
تاریخِ اسلام کا سب سے پہلا بدعتی ...... ذو الخویصرہ التمیمی	۹۷
تاریخِ اسلام کا پہلا بدعتی گروہ .... خوارج	۱۰۰
خوارج کے مختلف نام	۱۰۲
خوارج کے کفریہ عقائد	۱۰۳
خوارج کی پہچان اور علامات	۱۰۹
تاریخِ اسلام کی سب سے پہلی بدعت ...... گستاخیٔ رسول ﷺ	۱۱۰
باب: ۳	
"مُحدَثَاتُ الاُمُور" کا اطلاق کن اُمور پر کیا گیا	۱۱۳
۱۔ جھوٹے مدعیان نبوت کا فتنہ	۱۱۵
ا۔ اَسود عنسی کا دعویٰ نبوت	۱۱۵
ب۔ طلیحہ الاسدی کا دعویٰ نبوت	۱۱۶
ج۔ مسیلمہ کذّاب کا دعویٰ نبوت	۱۱۸
د۔ سجاح بنت حارثہ تمیمہ کا دعویٰ نبوت	۱۲۰
۲۔ فتنۂ اِرتداد	۱۲۱
۳۔ فتنۂ منکرینِ زکوٰۃ	۱۲۳
۴۔ فتنۂ خوارج	۱۲۷
اب محدثات الأمور کس نوعیت کے اُمور کو کہا جائے گا؟	۱۳۸

صفحہ	عنوانات
	باب: ۴
۱۴۱	**مباح بدعت کی قبولیت اور قرآن**
۱۴۵	۱۔ وَ رُهْبَانِيَّةَنِ ابْتَدَعُوْهَا
۱۴۵	۲۔ مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ
۱۴۶	۳۔ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللهِ
۱۴۶	۴۔ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا
۱۴۶	۵۔ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ
۱۴۷	تصورِ بدعت سے متعلق دو اہم امور
۱۴۸	۱۔ رضائے الٰہی کی خاطر کیا گیا نیا کام مطلقاً ناجائز نہیں
۱۴۹	غلط فہمی کے نتائج
۱۴۹	۲۔ بدعتِ حسنہ کے مقاصد کا حصول ضروری ہے
۱۵۰	شریعتِ اسلامی اور فلسفۂ حلال وحرام
۱۵۲	محض ''بدعت'' کہنے سے کوئی چیز غیر مشروع نہیں ہوتی
	باب: ۵
۱۵۳	**بدعت، اَحادیث و آثار کی روشنی میں**
۱۵۵	فصل اول: تصورِ بدعت اور اَحادیثِ نبوی ﷺ
۱۵۸	اَحادیث میں لفظِ بدعت کے اِستعمالات

صفحہ	عنوانات
١٦٦	احادیث میں لفظِ اِحداث کے اِستعمالات
١٧٣	**فصل دوم: تصورِ بدعت اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم**
١٧٥	١۔ جمعِ قرآن اور شیخین کا عمل
١٧٨	٢۔ باجماعت نمازِ تراویح کی ابتدا
١٨٤	٣۔ نمازِ جمعہ سے قبل دوسری اذان
١٨٦	٤۔ قطع ید کی سزا کی معطّلی
١٨٨	٥۔ چور کے قطع ید کی بجائے مالک کو دوگنا قیمت ادا کرنے کا حکم
١٨٩	٦۔ عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز سے روکنا
١٩٠	٧۔ مانعینِ زکوٰۃ سے قتال
١٩٣	٨۔ جرمِ لواطت پر جلانے کی سزا
١٩٣	٩۔ کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت
١٩٥	١٠۔ مؤلفۃ القلوب کی شق کی معطّلی
١٩٧	١١۔ مفتوحہ زمینوں کی تنظیم کے بارے میں فیصلہ
١٩٨	١٢۔ تاجروں سے عشور کی وصولی
١٩٩	١٣۔ مجرم کے لے شہر بدری کے حکم کی منسوخی
٢٠٠	١٤۔ گھوڑوں اور غلاموں پر صدقہ لینے کا حکم
٢٠٢	١٥۔ بیت المال سے وظیفہ کا تقرر
٢٠٥	**فصل سوم: تصورِ بدعت اور عصری نظائر و واقعات**
٢٠٧	١۔ اسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ

صفحہ	عنوانات
۲۰۹	۲۔ پختہ مساجد کی تعمیر کا مسئلہ
۲۱۰	۳۔ قرآن کا ترجمہ وتفسیر
۲۱۱	۴۔ دینی علوم وفنون کی تدوین وتنظیم
۲۱۲	دین کی اصل روح کو سمجھنا ضروری ہے
	باب:٦
۲۱۵	قرونِ اُولیٰ اور تصورِ بدعت
۲۱۷	قرونِ اُولیٰ میں اہلِ بدعت کن کو کہا جاتا تھا ؟
۲۱۸	۱۔ خوارج
۲۲۶	۲۔ مُرجئۃ
۲۲۸	۳۔ معتزلہ
۲۳۱	۴۔ جَہُمِیَّہ
۲۳۲	۵۔ روافض و باطنیہ
۲۳۵	۶۔ قدریہ
۲۳۸	قرونِ اُولیٰ میں مستحبات اور مستحسنات کی سطح کے اُمور پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا
۲۴۳	تابعین اور تبع تابعین اپنے دور میں اہلِ بدعت سے اجتناب کرتے تھے
۲۵۴	قرونِ اولیٰ میں بدعت کا اِطلاق صرف کفریہ عقائد پر ہوتا تھا

عنوانات	صفحہ
باب : ۷	
اِجتہاد اور تصورِ بدعت	**۲۵۷**
حدیث أَجْتَهِدُ بِرَأيِي سے نئے اُمورِ حسنہ کے اِجراء پر اِستدلال	۲۵۹
اِجتہاد پر اَجر و ثواب کی نوید	۲۶۲
اُمورِ حسنہ کا اِجراء اور تصور بدعت	۲۶۳
مثالوں سے وضاحت	۲۶۶
خلاصۂ بحث	۲۷۶
باب : ۸	
اِباحت اور تصورِ بدعت	**۲۷۷**
فصل اول: اصلاً تمام اشیاء مباح ہیں	۲۷۹
اِباحتِ اصلی جاننے کا اُصولی قاعدہ	۲۸۲
اِسلام آسان دین ہے	۲۸۶
دینِ یُسر پر قرآن سے دلائل	۲۸۷
دینِ یُسر پر احادیثِ نبویہ سے دلائل	۲۸۸
احکامِ شریعت میں سہولت کا بیان	۲۹۵
تصریحِ محرمات کا قرآنی فلسفہ	۲۹۶
فصل دوم: اِباحتِ اَصلی اور مفسرین کا نقطۂ نظر	۳۰۱
۱۔ امام ابو بکر جصاص الحنفیؒ (۳۷۰ھ)	۳۰۳

صفحہ	عنوانات
۳۰۴	۲۔ امام ابو القاسم الزمخشریؒ (۵۳۸ھ)
۳۰۵	۳۔ امام ابو عبد اللہ مالکی القرطبیؒ (۶۷۱ھ)
۳۰۶	۴۔ امام عبد اللہ بن محمود النسفیؒ (۷۱۰ھ)
۳۰۶	قابلِ افسوس پہلو
۳۱۰	فلسفہ حلال وحرام کی روشنی میں تصور بدعت
۳۱۳	**فصل سوم: کسی شئے کا عدمِ ذکر دلیلِ حرمت نہیں ہے**
۳۱۵	حضور ﷺ سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسی عمل کا ذکر ثابت نہ ہونا، حرمت کی دلیل نہیں
۳۱۵	عدمِ ثبوتِ فعل کے حکم کا اُصولی ضابطہ
۳۱۶	اِباحتِ اصلی پر کتاب وسنت سے دلائل
۳۱۸	قابل توجہ نکتہ
۳۲۳	خلاصۂ بحث
	باب: ۹
۳۲۵	**بدعت کی تقسیمات**
۳۲۷	**فصل اول: بدعت کی دو معروف تقسیمات**
۳۳۰	بدعت کی پہلی تقسیم
۳۳۰	۱۔ بدعتِ لغوی (Literal Innovation)
۳۳۱	۲۔ بدعتِ شرعی (Legal Innovation)
۳۳۶	بدعت کی دوسری تقسیم

عنوانات	صفحہ
ا۔ بدعتِ حسنہ (Commendable Innovation)	۳۳۶
۲۔ بدعتِ سیّئۃ (Condemned Innovation)	۳۳۶
بدعتِ حسنۃ بدعتِ لغوی ہے	۳۳۷
بدعتِ سیّئۃ ہی بدعتِ شرعی ہے	۳۴۰
فصل دوم: بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیّئۃ کی اقسام	۳۴۳
بدعتِ حسنہ (لُغویہ) کی اقسام	۳۴۸
ا۔ بدعتِ واجبہ (Compulsory Innovation)	۳۴۸
۲۔ بدعتِ مستحبہ (RecommendatoryInnovation)	۳۴۸
۳۔ بدعتِ مباحہ (Permissible Innovation)	۳۴۹
بدعتِ سیّئہ (شرعیہ) کی اقسام	۳۵۰
ا۔ بدعتِ محرّمہ (Forbidden Innovation)	۳۵۰
۲۔ بدعتِ مکروہہ (Prohibited innovation)	۳۵۰
تقسیمِ بدعت پر احادیثِ نبوی سے اِستشہاد	۳۵۰
بدعت حسنہ کی اصل ''سنة حسنة'' ہے	۳۵۴
جوڑوں (pairs) کے نظام سے اِستدلال	۳۵۸
''من دعا اِلی ضلالة'' سے اِستدلال	۳۵۹
''بدعة ضلالة'' فرمانے میں حکمت	۳۶۶
تقسیمِ بدعت پر معروف کتب کی فہرست	۳۷۷
خلاصۂ بحث	۳۸۰

صفحہ	عنوانات
	باب : ۱۰
۳۸۳	**بدعت ...... ائمہ و محدثین کی نظر میں**
۳۸۹	۱۔ امام محمد بن اِدریس بن عباس الشافعیؒ (۲۰۴ھ)
۳۹۳	۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبیؒ (۳۸۰ھ)
۳۹۵	۳۔ امام علی بن احمد ابن حزم الاندلسیؒ (۴۵۶ھ)
۳۹۶	۴۔ امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقیؒ (۴۵۸ھ)
۳۹۷	۵۔ امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالیؒ (۵۰۵ھ)
۳۹۹	۶۔ امام مبارک بن محمد ابن اثیر الجزریؒ (۶۰۶ھ)
۴۰۲	۷۔ امام عز الدین بن عبد السلام الشافعیؒ (۶۶۰ھ)
۴۰۵	۸۔ امام ابو زکریا محی الدین بن شرف النوویؒ (۶۷۶ھ)
۴۱۰	۹۔ امام شہاب الدین احمد القرافی المالکیؒ (۶۸۴ھ)
۴۱۵	۱۰۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقیؒ (۷۱۱ھ)
۴۱۹	۱۱۔ علامہ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابنِ تیمیہ (۷۲۸ھ)
۴۲۰	۱۲۔ امام حافظ عماد الدین ابو الفدا اسماعیل ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ)
۴۲۲	۱۳۔ امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبیؒ (۷۹۰ھ)
۴۲۷	۱۴۔ امام بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشیؒ (۷۹۴ھ)
۴۲۷	۱۵۔ امام عبد الرحمٰن بن شہاب الدین ابن رجب الحنبلیؒ (۷۹۵ھ)

عنوانات		صفحہ
۱۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانیؒ	(۷۹۶ھ)	۴۳۳
۱۷۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ الوشتانی المالکیؒ	(۸۲۸ھ)	۴۳۵
۱۸۔ امام ابوالفضل احمد بن علی بن محمد ابن حجر عسقلانیؒ	(۸۵۲ھ)	۴۳۸
۱۹۔ امام ابومحمد بدرالدین محمود العینیؒ	(۸۵۵ھ)	۴۳۹
۲۰۔ امام محمد بن عبدالرحمٰن شمس الدین محمود السخاویؒ	(۹۰۲ھ)	۴۳۹
۲۱۔ امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطیؒ	(۹۱۱ھ)	۴۴۰
۲۲۔ امام ابوالعباس احمد بن محمد شہاب الدین القسطلانیؒ	(۹۲۳ھ)	۴۴۳
۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یوسف صالحی الشامیؒ	(۹۴۲ھ)	۴۴۵
۲۴۔ امام عبدالوھاب بن احمد علی الشعرانیؒ	(۹۷۳ھ)	۴۴۶
۲۵۔ امام احمد شہاب الدین ابن الحجر المکی الہیتمیؒ	(۹۷۴ھ)	۴۴۷
۲۶۔ الشیخ محمد شمس الدین الشربینی الخطیبؒ	(۹۷۷ھ)	۴۴۹
۲۷۔ امام ملا علی بن سلطان محمد القاریؒ	(۱۰۱۴ھ)	۴۵۱
۲۸۔ الشیخ عبدالحمید الشروانیؒ		۴۵۳
۲۹۔ امام عبدالرؤوف زین الدین المناوی الشافعیؒ	(۱۰۳۱ھ)	۴۵۵
۳۰۔ اِمام علی بن برہان الدین حلبیؒ	(۱۰۴۴ھ)	۴۵۶
۳۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ	(۱۰۵۲ھ)	۴۵۹
۳۲۔ علامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد الحصکفیؒ	(۱۰۸۸ھ)	۴۶۱

عنوانات		صفحہ
۳۳۔ امام ابو عبد اللہ محمد عبد الباقی الزرقانی المالکیؒ	(۱۱۲۲ھ)	۴۶۱
۳۴۔ علامہ مرتضیٰ حسینی الزبیدی الحنفیؒ	(۱۲۰۵ھ)	۴۶۲
۳۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین الشامیؒ	(۱۲۵۲ھ)	۴۶۵
۳۶۔ شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ	(۱۲۵۵ھ)	۴۶۶
۳۷۔ علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسیؒ	(۱۲۷۰ھ)	۴۶۷
۳۸۔ مولانا احمد علی سہارنپوری	(۱۲۹۷ھ)	۴۶۹
۳۹۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی	(۱۳۰۷ھ)	۴۷۱
۴۰۔ مولانا وحید الزمان	(۱۳۲۷ھ)	۴۷۲
۴۱۔ مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری	(۱۳۵۳ھ)	۴۷۳
۴۲۔ مولانا شبیر احمد عثمانی	(۱۳۶۹ھ)	۴۷۵
۴۳۔ مولانا محمد زکریا کاندھلوی	(۱۴۰۲ھ)	۴۷۷
۴۴۔ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز	(۱۴۲۱ھ)	۴۷۸
۴۵۔ الشیخ محمد بن علوی المالکی المکیؒ	(۱۴۲۵ھ)	۴۸۱
❁ مآخذ و مراجع		۴۹۵

پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب عصرِ حاضر کے عظیم مفکر، شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری قدس سرہ العزیز کے تصورِ بدعت پر سلسلہ وار علمی و فکری اور تحقیقی لیکچرز کی محققہ و مرتبہ صورت ہے۔ یہ کتاب آپ کے علمی تبحر، اِجتہادی بصیرت، بلند فکری اور تحقیق و اِستدلال کا بین ثبوت ہے۔آپ مدظلہ العالی نے اپنی اِس تصنیف میں تصورِ بدعت کے حوالے سے نہ صرف مدتِ مدید سے اُلجھے ہوئے مسئلے کو اپنی فکر و دانش سے سلجھایا ہے بلکہ اسے بحث و تحقیق اور اِستدلال و اِستشہاد کی اعلیٰ روایات سے بھی مزین کیا ہے۔

کتاب البدعۃ کے اُسلوبِ بیان اور طرزِ اِستدلال سے حضرت شیخ الاسلام کی وسعتِ نظری، رفعتِ تخیل اور فنی و تکنیکی مہارت کا بڑی آسانی سے اَندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ نے تصور بدعت پر وارد ہونے والے ممکنہ اِعتراضات کا جواب کتاب و سنت، آثارِ صحابہ اور اَقوالِ ائمہ و محدثین کی روشنی میں ایسے محققانہ اور مجتہدانہ انداز میں دیا ہے کہ طویل مدت سے تصورِ بدعت پر پڑی ہوئی اِبہام و تشکیک کی گرد ہمیشہ کے لئے چھٹتی ہوئی نظر آتی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی نے نا قابلِ تردید دلائل و براہین سے اِس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ ہر بدعت یا نیا کام محض ''نیا'' ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام نہیں ہوتا بلکہ بے شمار نئے کام مبنی بر خیر اور تابع سنت ہونے کی وجہ سے جائز اور مباح بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ اِعتراض کہ بدعت کی حسنہ اور سیّئہ میں تقسیم درست نہیں، تعلیماتِ اسلام سے عدمِ واقفیت کی وجہ سے ہے۔

کتاب البدعۃ میں قرآن و سنت، آثارِ صحابہ اور اَکابر ائمہ اِسلام کے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے کہ صرف وہ بدعت ناجائز اور ممنوع ہوتی ہے جس کی کوئی اَصل،

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

مثال، دلیل یا نظیر کتاب وسنت میں موجود نہ ہو۔ ایسی بدعت شریعت کے کسی نہ کسی حکم کے واضح طور پر مخالف اور متضاد ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو ’’نیا کام‘‘ احکامِ شریعت کے خلاف نہ ہو بلکہ ایسے اُمور میں داخل ہو جو اصلاً حسنات و خیرات اور صالحات کے زمرے میں آتے ہیں تو ایسے جملہ نئے کام محض لغوی اِعتبار سے تو ’’بدعت‘‘ کہلائیں گے کیونکہ ’’بدعت‘‘ کا لغوی معنی ہی ’’نیا کام‘‘ ہے ورنہ وہ شرعاً نہ تو بدعت ہوں گے اور نہ ہی مذموم اور باعثِ ضلالت۔ یقیناً ایسے اُمور مبنی بر خیر ’’اُمورِ حسنہ‘‘ متصور ہوں گے۔ مختصر یہ کہ اِس تصنیفِ لطیف میں اِحداث و بدعت کے حقیقی تصور اور ان کی شرعی حیثیت کو واضح کر دیا گیا ہے تا کہ ان الفاظ کے غلط اِستعمال سے سادہ لوح عوام کو پریشان نہ کیا جا سکے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں حضرت شیخ الاسلام کی اِس علمی و تحقیقی کاوش سے کما حقہ مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے اور اپنے حبیب ﷺ کے تصدق سے اُمتِ مسلمہ کو اِتحاد و یکجہتی کی دولت سے نوازے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

محمد افضل قادری

﴿سینئر ریسرچ سکالر﴾

فرید ملت اِسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ

26-03-06

باب: ۱

بدعت کا معنی و مفہوم

بدعت کا لُغوی مفہوم

بدعت کا اِصطلاحی مفہوم

بدعت کا حقیقی تصور

أَحْدَثَ کے بعد مَا لَيْسَ مِنْه فرمانے میں حکمت

لَيْسَ فِيْهِ اور لَيْسَ مِنْه میں فرق

مغالطے کا اِزالہ اور ” فَهُوَرَدٌّ “ کا درست مفہوم

ہمارے ہاں عام طور پر ایک خاص نقطۂ نظر اور مذہبی پس منظر رکھنے والے طبقے کی طرف سے ''**شرک**'' اور ''**بدعت**'' کی دو اِصطلاحات کو بہت زیادہ بے محل اور غلط طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے۔ بغیر سوچے سمجھے ناجائز، غیر مستحسن، غیر ثابت، مکروہ اور حرام، ہر قسم کے اُمور پر لفظِ شرک اور بدعت کو مُنطبق کر کے اُمت کی بھاری اکثریت (Large Majority) کو مشرک، بدعتی اور گمراہ قرار دے دیا جاتا ہے اور وہ آیاتِ مقدسہ اور اَحادیثِ مبارکہ جو کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئیں اُنہیں بڑھی بیبا کی سے اُمتِ مسلمہ پر چسپاں کر دیا جاتا ہے[1] جو کہ ایک نہایت ہی ظالمانہ اور جاہلانہ طرزِ عمل ہے۔ اس کتاب میں تصورِ بدعت کے حوالے سے پائے جانے والی غلط فہمیوں کا اِزالہ کیا گیا ہے۔ شرک اور توحید کے حوالے سے راقم کی دوسری ضخیم تصنیف ''**التوحید**'' میں

(۱) اِمام بخاریؒ ترجمۃ الباب کے طور پر آیت وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ[التوبة، ۹: ۱۱۵] کے ذیل میں نقل کرتے ہیں کہ وَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضي الله عنهما يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللهِ، وَ قَالَ: إِنَّهُمُ انْطَلَقُوا إِلَى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوهَا عَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔

۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب استتابة المرتدين و المعاندين و قتالهم، باب قتل الخوارج و الملحدين بعد إقامة الحجة عليهم، ۶: ۲۵۳۹،

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الخوارج شر الخلق و الخليقة، ۲: ۷۵۰، رقم: ۱۰۶۷

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب السنة، باب في قتال الخوارج، ۴/۲۴۳، الرقم: ۴۷۶۵

۴۔ نسائي، السنن، كتاب تحريم الدم، باب من شهر سيفه ثم وضعه في الناس، ۷/۱۱۹، رقم: ۴۱۰۳

←

مکمل تفصیلات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

بدعت کا لغوی مفہوم

" البِدْعَة " عربی زبان کا لفظ ہے جو ''بَدَعَ'' سے مشتق ہے۔ اس کا معنی کسی سابقہ مادہ، اَصل، مثال، نمونہ یا وجود کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کسی شئے کو نیست سے ہست کرنے اور عدمِ محض سے وجود میں لانے کو عربی زبان میں **''اِبداع''** کہتے ہیں۔ ذیل میں ہم اہم لغات اور اَقوالِ محدّثین سے بدعت کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔

۱۔ **ابنِ فارس** (۱۰۰۴ھ) اپنی معروف لُغت **''معجم مقاییس اللغة''** میں بدعت کا لُغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

اِبتداء الشيئ و صنعه لا عن مثال۔(۱)

''کسی سابقہ مثال کے بغیر کسی چیز کا آغاز کرنا یا بنانا ''بدعت'' کہلاتا ہے۔''

۲۔ **اِمام ابن حجر عسقلانی**ؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) اپنی معروف شرح **''فتح الباری شرح صحیح البخاری''** میں لفظِ بدعت کی لُغوی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

البدعة أصلها ما أُحدِث علی غیر مثال سابق۔(۲)

......۵۔ ابن ماجة، السنن، المقدمة، باب في ذکر الخوارج، ۱:۶۰، رقم:۱۷۰

۶۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۱۵، ۲۲۴، رقم: ۱۱۱۳۳، ۱۳۳۶۲

نوٹ: مزید تفصیلات کے لیے راقم کی علمِ حدیث پر کتاب ''المنهاج السوي من الحدیث النبوي'' کا باب دوم ''حُکْمُ الْخَوَارِجِ وَالْمُرْتَدِّيْنَ وَالْمُتَنَقِّصِيْنَ فِي النَّبِيِّ ﷺ'' ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ابن فارس، معجم مقاییس اللغة، ۱:۲۰۹

(۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ۴:۲۵۳

”بدعت کی اصل یہ ہے کہ اسے بغیر کسی سابقہ نمونہ کے ایجاد کیا گیا ہو۔“

۳۔ **اِمام مرتضیٰ زبیدی حنفی**ؒ (المتوفی ۱۲۰۵ھ) لغت کی معروف کتاب ”تاج العروس من جواھر القاموس“ میں لفظِ بدعت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا لغوی معنٰی ”الجدید“ ہے پھر اِس معنٰی کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

کما یقال جئت بأمرٍ بدیعٍ ای محدث عجیب، لم یعرف قبل ذالک۔(۱)

”جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ”میں ایک نیا کام لایا یعنی ایسی عجیب جدّت جو اس سے قبل معروف نہیں تھی۔“

۴۔ **خلیل بن احمد الفراھیدی** (۱۸۶ھ) لغت کی کتاب ”العین“ میں بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

إحداث شیئ لم یکن له من قبل خلق ولا ذکر ولا معرفة۔(۲)

”بدعت سے مراد کسی ایسی چیز کا ایجاد کرنا ہے کہ اس سے قبل نہ وہ چیز تخلیق کی گئی ہو اور نہ ہی اس کا ذکر اور معرفت ہو۔“

۵۔ **المنجد فی اللّغۃ** میں لفظِ بدعت کا لغوی معنی یوں بیان کیا گیا ہے:

اخترعه و صنعه لا علی مثال۔(۳)

”بدعت کا معنی کسی سابقہ مثال کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنا اور بنانا ہے۔“

قرآنِ مجید میں مختلف مقامات پر لفظِ بدعت کے مُشتقات (Derivatives) بیان ہوئے ہیں جن سے مذکورہ معنی کی توثیق ہوتی ہے، چند مقامات درج ذیل ہیں۔

(۱) زبیدی، تاج العروس، ۱۱: ۸
(۲) الفراھیدی، العین، ۲: ۵۴
(۳) لوئس معلوف، المنجد: ۲۹

أ۔ یہ کائنات نیست اور عدمِ محض تھی، اس کو اللہ رب العزت نے کسی مثالِ سابق کے بغیر خِلعتِ وجود عطا کیا تو لُغوی اعتبار سے یہ بھی ''بدعت'' کہلائی اور اس بدعت کا خالق خود اللہ رب العزت ہے جو اپنی شانِ تخلیق بیان کرتے ہوئے سورۃ البقرہ میں اِرشاد فرماتا ہے!

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَ اِذَا قَضٰی أمْراً فَإنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○(۱)

''وہی آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے اور جب وہ کسی چیز (کے اِیجاد) کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو پھر اس کو صرف یہی فرماتا ہے، تو ہوجا پس وہ ہوجاتی ہے○''

ب۔ یہی بیان دوسرے مقام پر سورۃ الأنعام میں بھی ہے۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔(۲)

''وہی آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔''

ج۔ اِسی تصور کو سورۃ الحدید میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

وَرَهْبَانِیَّةَنِ ابْتَدَعُوْهَا مَا کَتَبْنَاهَا عَلَیْهِمْ۔(۳)

''اور رہبانیت (یعنی عبادتِ الٰہی کے لئے ترکِ دنیا اور لذّتوں سے کنارہ کشی) کی بدعت انہوں نے خود ایجاد کر لی تھی، اسے ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا تھا۔''

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی سے ثابت ہو گیا کہ کائناتِ اَرضی و سماوی کی تخلیق کا ہر نیا مرحلہ **بدعت** کہلاتا ہے اور وہ ہستی جو کسی ایسی چیز کو وجود عطا کرے جو پہلے موجود نہ ہو

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۱۱۷
(۲) القرآن، الانعام، ۶: ۱۰۱
(۳) القرآن، الحدید، ۵۷: ۲۷

”**بدیع**“ کہلاتی ہے۔ پس قرآن اِعلان کرتا ہے کہ خالقِ کائنات صرف صانع ہی نہیں بلکہ ”بدیع“ بھی ہے کیونکہ اس نے زمین و آسمان کو بغیر کسی سابق مادہ کے محض اپنے اِرادہ سے پیدا فرما دیا۔

ہ بدعت کے اس لغوی مفہوم کی وضاحت درج ذیل آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ۔(۱)

”آپ فرما دیں کہ میں (انسانوں کی طرف) کوئی پہلا رسول نہیں آیا (کہ مجھ سے قبل رسالت کی کوئی مثال ہی نہ ہو)۔“

ان آیاتِ مبارکہ سے بدعت کا لُغوی معنی خوب واضح ہو گیا ہے کہ ہر وہ نئی چیز بدعت کہلاتی ہے جس کی مثل، مادہ، نمونہ اور نظیر (Precedent) پہلے سے موجود نہ ہو۔

بدعت کا اِصطلاحی مفہوم

بدعت کا اِصطلاحی مفہوم واضح کرتے ہوئے فقہاءِ اُمت اور ائمہ حدیث نے اس کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ **امام یحییٰ بن شرف نوویؒ** (المتوفی ۶۷۷ھ) بدعت کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

البدعة هی إحداث مالم يكن فی عهد رسول الله ﷺ۔(۲)

”بدعت سے مراد ایسے نئے کام کا ایجاد کرنا ہے جو عہدِ رسالت مآب ﷺ میں نہ ہو۔“

۲۔ **علامہ ابن تیمیہ** (۷۲۸ھ) بدعت کی تعریف کرتے ہوئے اپنے معروف فتاویٰ ”مجموع الفتاویٰ“ میں لکھتے ہیں:

(۱) القرآن، الاحقاف، ۴۶: ۹

(۲) نووی، تہذیب الاسماء واللغات، ۳: ۲۲

و البدعة ما خالفت الكتاب و السنة أو إجماع سلف الأمة من الاعتقادات و العبادات كأقوال الخوارج والروافض و القدرية و الجَهْمِيَّة۔ (۱)

''بدعت سے مراد ایسا کام ہے جو اعتقادات وعبادات میں کتاب و سنت اور اَخیارِ امت کے اِجماع کی مخالفت کرے۔ جیسے خوارج، روافض، قدریہ اور جہمیہ کے عقائد۔''

۳۔ شیخ ابنِ رجب حنبلی (المتوفی ۷۹۵ھ) اپنی کتاب ''**جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم**'' میں بدعت کی اِصطلاحی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

المراد بالبدعة ما أُحدث ممّا لا أصل له فی الشّريعة يدلّ عليه واما ما كان له أصل من الشّرع يدل عليه فليس ببدعة شرعاً وإن كان بدعة لغة۔(۲)

''بدعت سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو اس پر دلالت کرے لیکن ہر وہ معاملہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لُغوی اعتبار سے بدعت ہو گا۔''

علامہ ابن رجب حنبلیؒ بدعت کے مفہوم کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فكلّ من أحدث شيئا و نسبه إلى الدّين ولم يكن له أصل من الدّين يرجع إليه فهو ضلالة والدّين بريء منه، و سواء فی ذلک

(۱) ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۳: ۱۹۵

(۲) ۱۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱: ۲۵۲
۲۔ محمد شمس الحق، عون المعبود شرح سنن أبی داؤد، ۱۲: ۲۳۵
۳۔ عبد الرحمن مبارکپوری، تحفۃ الأحوذی، ۷: ۳٦٦

مسائل الإعتقادات أو الأعمال أو الأقوال الظاهرة والباطنة. و أما ما وقع في كلام السّلف من إستحسان بعض البدع فإنّما ذلک في البدع اللّغوية لا الشّرعية۔(۱)

”جس کسی نے بھی کوئی نئی چیز ایجاد کی پھر اس کی نسبت دین کی طرف کر دی درآنحالیکہ وہ چیز دین کی اصل میں سے نہ ہوتو وہ چیز اس کی طرف لوٹائی جائے گی اور وہی گمراہی ہو گی اور دین اس چیز سے بری ہو گا۔ اس میں اعتقادی، عملی، قولی، ظاہری و باطنی تمام مسائل برابر ہیں۔ اور بعض اچھی چیزوں میں سے جو کچھ اسلاف کے کلام میں گزر چکا ہے پس وہ بدعت لغویہ میں سے ہے، بدعت شرعیہ میں سے نہیں ہے۔“

۴۔ **امام ابن حجر عسقلانیؒ** (المتوفی ۸۵۲ھ) بدعت اور اِحداث کا اِصطلاحی مفہوم بایں الفاظ بیان کرتے ہیں:

المحدثة و المراد بها ما أُحدث و ليس له اصلٌ فى الشّرع، و يسمّى فى عرف الشّرع بدعة، و ما كان له أصل يدلّ عليه الشّرع فليس ببدعة، فالبدعة فى عرف الشّرع مذمومة بخلاف اللّغة: فان كلّ شيء أحدث على غير مثال يسمى بدعة، سواء كان محمودًا أو مذمومًا۔(۲)

”محدثہ سے مراد ایسے نئے کام کا ایجاد کرنا ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو۔ اسی محدثہ کو اِصطلاح شرع میں ’بدعت‘ کہتے ہیں۔ لہٰذا ایسے کسی کام کو بدعت نہیں کہا جائے گا جس کی اصل شریعت میں موجود ہو جو اس پر دلالت کرے۔ شرعی اعتبار سے بدعت فقط بدعتِ مذمومۃ کو کہتے ہیں بدعتِ لغویۃ کو نہیں۔ پس ہر وہ کام جو مثالِ سابق کے بغیر ایجاد کیا جائے اسے

(۱) ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم: ۲۵۲

(۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۳: ۲۵۳

بدعت کہتے ہیں چاہے وہ بدعتِ محمودہ ہو یا بدعتِ مذمومہ۔‘‘

علامہ ابنِ حجر عسقلانیؒ بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والتحقیق انها ان کانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشّرع فهی حسنة وان کانت مما تندرج تحت مستقبح فی الشّرع فهی مستقبحة۔(۱)

’’تحقیق یہ ہے کہ اگر بدعت شریعت میں کسی مستحسن کے تحت داخل ہے تو وہ حسنہ ہے اور اگر وہ شریعت کی ناپسندیدگی کے تحت آتی ہے تو وہ مستقبحة (غیر پسندیدہ) ہوگی۔‘‘

۵۔ **سید شریف جرجانیؒ** (المتوفی ۸۱۶ھ) اپنی کتاب ’’التعریفات‘‘ میں بدعت کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں!

البدعة هی الفعلة المخالفة للسنة سمیت البدعة لأنّ قائلها ابتدعها من غیر مقال إمام۔(۲)

’’بدعت (صرف) وہ کام ہے جو سنت کے مخالف ہو اور اس کو بدعت اِس لیے کہتے ہیں کہ اس کا قائل اِمام کے قول کے بغیر اسکی اِختراع کرتا ہے۔‘‘

علامہ جرجانیؒ کی اِس تعریف سے واضح ہوگیا کہ شرعی اعتبار سے بدعت صرف وہی کام ہوگا جو کتاب وسنت کے اَحکامات سے متعارض ومتناقض ہو، لہٰذا بے شمار وہ اُمور جن کا اگرچہ کتاب وسنت میں ذکر نہ ہو اور وہ شریعت کی کسی حد کو بھی نہ توڑیں تو وہ جائز مباح اور مشروع ہونگے۔

(۱) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۴: ۲۵۳
۲۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۳: ۶۳
(۲) جرجانی، التعریفات: ۱۶

علامہ جرجانیؒ بدعت کی ایک اور تعریف کرتے ہوئے اِس حقیقت کو یوں واضح کرتے ہیں:

البدعة هی الأمر المحدث الّذی لم یکن علیه الصحابة و التابعون ولم یکن مما اقتضاه الدلیل الشّرعی۔(۱)

’’بدعت وہ نیا کام ہے جس کو صحابہ ﷺ اور تابعینؒ نے نہ کیا ہو اور نہ ہی وہ دلیلِ شرعی کا تقاضا ہو‘‘

۶۔ **اِمام بدرالدین عینیؒ** شارح صحیح بخاری (المتوفی ۸۵۵ھ) بدعت کی تعریف اور تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة فی الاصل إحداث أمر لم یکن فی زمن رسول الله ﷺ ثم البدعة علی نوعین اِن کانت مما یندرج تحت مستحسن فی الشّرع فهی بدعة حسنة واِن کانت مما یندرج تحت مستقبح فی الشّرع فهی بدعة مستقبحة۔(۲)

’’بدعت اصل میں ایسے نئے کام کا بجالانا ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ ہوا ہو، پھر بدعت کی دو قسمیں ہیں اگر یہ شریعت کے مُستحسنات کے تحت آ جائے تو یہ بدعتِ حسنة ہے اور اگر یہ شریعت کے مُستقبحات کے تحت آ جائے تو یہ بدعتِ مستقبحة ہوگی۔‘‘

۷۔ **علامہ اسماعیل حقیؒ** (۱۱۳۷ھ) بھی بدعت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بدعت صرف اُس عمل کو کہا جائے گا جو سنتِ رسول یا عملِ صحابہ و تابعین کے خلاف ہو۔ فرماتے ہیں:

أنّ البدعة هی الفعلة المخترعة فی الدّین علی خلاف ما کان علیه

(۱) جرجانی، التعریفات: ۱۶

(۲) عینی، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ۱۱: ۱۲۶

النّبی علیه السلام و کانت علیه الصحابة و التابعون ﷺ۔(۱)

''بدعت اس فعل کو کہا جاتا ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کی سنت کے خلاف گھڑا جائے اور وہ عمل صحابہ و تابعین ﷺ کے طریقے کے بھی مخالف ہو۔''

مُتذکرہ بالا تعریفات سے یہ حقیقت مُترشّح ہو جاتی ہے کہ ہر وہ نیا کام جس کی کوئی شرعی دلیل، شرعی اصل مثال یا نظیر پہلے سے کتاب وسنت اور آثارِ صحابہ میں موجود نہ ہو وہ ''بدعت'' ہے لیکن ہر بدعت غیر پسندیدہ یا ناجائز وحرام نہیں ہوتی بلکہ صرف وہی بدعت ناجائز ہوگی جو کتاب وسنت کے واضح احکامات سے متعارض و متناقص (Contradictory) ہو۔ دوسرے لفظوں میں بدعتِ سیئۃ یا بدعتِ ضلالۃ صرف اُس عمل کو کہیں گے جو واضح طور پر کسی متعین سنت کے ترک کا باعث بنے اور جس عمل سے کوئی سنت متروک نہ ہو وہ ناجائز نہیں بلکہ مباح ہے۔ اِسی مؤقف کی تائید کرتے ہوئے معروف غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان بھوپالی (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ ہر نئے کام کو بدعت کہہ کر مطعون نہیں کیا جائے گا بلکہ بدعت صرف اس کام کو کہا جائے گا جس سے کوئی سنت متروک ہو۔ جو نیا کام کسی امرِ شریعت سے متناقص نہ ہو وہ بدعت نہیں بلکہ مباح اور جائز ہے۔ شیخ وحید الزماں اپنی کتاب ھدیۃ المھدی کے صفحہ ۱۱۷ پر بدعت کے حوالے سے علامہ بھوپالی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

البدعة الضّلالة المحرّمة هی التی ترفع السّنة مثلها والتی لا ترفع شیئا منها فلیست هی من البدعة بل هی مباح الاصل۔(۲)

''بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔''

(۱) اسماعیل حقی، تفسیر روح البیان، ۹: ۲۴

(۲) وحید الزمان، ہدیة المهدی: ۱۱۷

رہی وہ بدعت جو مستحسن اُمور کے تحت داخل ہے اور وہ قرآن و حدیث کے کسی حکم سے ٹکراتی بھی نہیں تو وہ مشروع، مباح اور جائز ہے، اسے محض بدعت یعنی نیا کام ہونے کی بنا پر مکروہ یا حرام قرار دینا کتاب وسنت کے ساتھ نا اِنصافی ہے۔

بدعت کا حقیقی تصور

ذیل میں اَحادیث مبارکہ کی روشنی میں بدعت کا حقیقی مفہوم بیان کیا جا رہا ہے جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ ''اَحادیثِ بدعت'' کا حقیقی اطلاق (Application) کن کن بدعات پر ہوتا ہے۔

۱۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردٌّ۔(۱)

''جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''

صحیح بخاری میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۴۳، کتاب الاقضية، باب نقض الأحكام الباطلة، رقم: ۱۷۱۸
۲۔ ابن ماجه، السنن، المقدمه، ۱: ۷، باب تعظيم حديث رسول الله، رقم: ۱۴
۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۷۰، رقم: ۲۶۳۷۲
۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۲۰۷، رقم: ۲۶
۵۔ دار قطنی، السنن، ۴: ۲۲۴، رقم: ۷۸
۶۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۱: ۲۳۱، رقم: ۳۵۹
۷۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۱۹

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس فیه فهو ردٌّ۔(۱)

''جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں اصلاً نہ تھی تو وہ مردود ہے۔''

ان اَحادیث میں لفظِ '' اَحدَثَ '' کے بعد '' مَا لَیسَ مِنهُ '' یا ''مَا لَیس فِیهِ'' کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ عرفِ عام میں '' اَحدَثَ '' کا معنی ''دین میں کوئی چیز ایجاد کرنا'' ہے اور لفظ '' مَا لَیسَ مِنهُ'' اَحدَثَ کے مفہوم کو واضح کر رہا ہے کہ ''اَحدَثَ'' سے مراد وہ نئی چیز ہوگی جو اس دین میں نہ ہو۔ حدیث کے اس مفہوم سے ذہن میں ایک سوال اُبھرتا ہے کہ

اگر ''اَحدَثَ'' سے مراد ''دین میں کوئی بھی نئی چیز پیدا کرنا'' ہے تو جب ایک چیز نئی پیدا ہو رہی ہے تو پھر یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ''مَا لَیسَ مِنهُ'' یا ''ما لیس فیه'' کیونکہ اگر وہ دین کا حصہ تھی تو اس کو نئی کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور جس کو نئی چیز کہہ دیا تو لفظ ''اَحدَثَ'' ذکر کر دینے کے بعد اس امر کی ضرورت نہ تھی کہ ''مَا لَیسَ مِنهُ'' کا اضافہ کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ دین میں سے ہو تو نئی (مُحدَثه) نہ رہی

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۵۹، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، رقم: ۲۵۵۰
۲۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۶
۳۔ ابو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸
۴۔ ابو یعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴
۵۔ ابن جارود، المنتقی، ۱: ۲۵۱، رقم: ۱۰۰۲
۶۔ بیہقی، الاعتقاد، ۱: ۲۲۹
۷۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۵۷۹، رقم: ۵۸۱۲

اور اگر وہ نئی ہے تو ''ما لیس منه'' کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ نئی چیز تو کہتے ہی اسے ہیں جو پہلے دین میں موجود نہ ہو۔ ذیل میں ''أحدث'' کے بعد ''ما لیس منه'' ذکر کرنے کی حکمت بیان کی جاتی ہے۔

أَحْدَثَ کے بعد مَا لَيْسَ مِنْهُ فرمانے میں حکمت

متذکرہ بالا حدیث پر فکر و تدبّر کرنے اور اس میں ''أحدث'' کے بعد ''ما لیس منه'' کے اضافہ پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر نیا کام مردود نہیں بلکہ صرف وہ نیا کام مردود ہوگا کہ جس کے لئے دین میں سرے سے کوئی اصل، مثال، ذکر، معرفت یا حوالہ ہی نہ ہو اور اسے دین میں یعنی ضروریاتِ دین، واجباتِ اسلام اور اَساسی عقائدِ شرعیہ میں یوں داخل کیا جائے کہ وہ ''اساسیاتِ دین میں اضافہ'' بن جائے۔ جس سے دینِ اسلام کے بنیادی اُصولوں میں اصلاً کمی یا بیشی واقع ہو جائے۔ یہ اِحداث دینِ اسلام کی مخالفت اور دین میں ''فتنہ'' تصور ہوگا۔

اسی لیے **علامہ ابنِ اَثیر جزریؒ** (المتوفی ۶۰۶ھ) اِحداث کا معنی متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> وعلی هذا التاويل يحمل الحديث الآخر كل محدثة بدعة انما يريد ما خالف اُصول الشّريعة ولم يوافق السنة۔(۱)

> ''اِن دلائل کی بنا پر حدیث ''کل محدثة بدعة'' کی وضاحت یوں ہوگی کہ اِس سے مراد ہر وہ نیا کام ہوگا جو اصولِ شریعت کے مخالف ہو اور سنت سے کوئی مطابقت نہ رکھتا ہو۔''

امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کے نزدیک بھی جب تک یہی دو شرائط (احداث اور ما لیس منه) نہ پائی جائیں کوئی نیا کام بدعتِ مذمومہ نہیں ہوسکتا۔ وہ لکھتے ہیں:

(۱) ۱۔ ابن اثیر جزری، النهاية فی غريب الحديث والأثر، ۱: ۱۰۶
۲۔ ابن منظور افریقی، لسان العرب، ۸: ۶

فليس كل ما أبدع منهيا بل المنهى بدعة تضاد سُنة ثابتة و ترفع أمرا من الشّرع مع بقاء علته۔(۱)

’’ہر بدعت ممنوع نہیں ہوتی بلکہ ممنوع صرف وہ بدعت ہوتی ہے جو سنتِ ثابتہ سے متضاد ہو اور اس سنت کی علت کے ہوتے ہوئے اَمرِ شریعت کو اُٹھادے۔‘‘

ليس فيه اور ليس منه میں فرق

ہر کام کی دو حیثیتیں (Dimentions) ہوتی ہیں۔ ایک اس کی اصل اور دوسری اس کی ہیئت۔ جیسے نماز کی اصل ذکرِ الٰہی ہے اور اس کی ہیئت مخصوص اَوقات میں خاص طریق سے عبادت کرنا ہے۔ اسی طرح روزہ کی اَصل حصولِ تقویٰ ہے مگر ایک خاص وقت سے خاص وقت تک کھانے پینے وغیرہ سے اِجتناب کرنا اسکی ہیئتِ کذائیہ ہے۔ پس ”ما ليس فيه“ کہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کام کا اِضافہ کیا جسکی سرے سے شریعت میں کوئی اَصل، کوئی حوالہ، کوئی مثال، کوئی بنیاد اور کوئی جنس موجود نہ تھی اور پھر ’’ما ليس فيه“ اور ’’ما ليس منه‘‘ میں ’’ہ“ ضمیر کا مرجع ”أمرنا هذا“ ہے۔ یعنی ایسا کام ایجاد کیا جو ضروریاتِ دین میں نہ تھا مگر اسے دین کے واجبات اور بنیادی اُصولوں میں داخل کر دیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ دین کے اَساسی عقائد میں اِضافہ کر دیا یا دین کے بنیادی اُصولوں میں کوئی کمی کر دی، احکامِ دین کو توڑا یا دین کی مخالفت کر دی جس سے دینِ اسلام کی شکل بدل جائے تو ایسے اِحداث کو فتنہ اور بدعتِ سئیّہ کہا جائے گا۔

مذکورہ حدیث (من احدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردٌّ) کے حوالے سے یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اِسے اِمام ابن ماجہؒ نے ’’باب تعظيم حديث رسول ﷺ“ کے ذیل میں درج کیا ہے[۲] ہر محدِّث، حدیث کا جو مفہوم سمجھتا ہے اُسے

(۱) غزالی، إحياء العلوم، ۲:۳

(۲) ابن ماجه، السنن، المقدمه، ۱: ۷، باب تعظيم حديث رسول الله، رقم: ۱۴

ایک عنوان قائم کرکے اُس کے تحت لاتا ہے۔ اِمام ابن ماجہؒ کا اِس حدیث کو ''باب تعظیم حدیث رسول ﷺ'' کے تحت لانے کا مقصود یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب نہ کیا جائے۔ وہ ''من أحدث فی أمرنا هذا'' سے حضور ﷺ کی طرف کوئی جھوٹی حدیث منسوب کرنا مراد لے رہے ہیں یعنی اگر کسی نے کوئی آیت گھڑی اور قرآن کی طرف منسوب کر دی یا کوئی حدیث گھڑی اور حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دی تو وہ مردود ہوگی۔

مغالطے کا ازالہ اور ''فَهُوَ رَدٌّ'' کا درست مفہوم

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔ (۱)

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا کوئی امر موجود نہیں تو وہ مردود ہے۔''

اس حدیث میں ''لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا'' سے عام طور پر یہ مراد لیا جاتا ہے کہ کوئی بھی کام (خواہ وہ نیک اور اَحسن ہی کیوں نہ ہو) مثلاً اِیصال ثواب، میلاد اور دیگر سماجی، روحانی اور اخلاقی اُمور، اگر اُن پر قرآن و حدیث سے کوئی نص موجود نہ ہو تو یہ بدعت اور مردود ہیں۔ یہ مفہوم سراسر غلط اور مبنی بر جہالت ہے کیونکہ اگر یہ معنی لے لیا جائے کہ جس کام کے کرنے کا حکم قرآن و سنت میں نہ ہو وہ حرام ہے تو پھر شریعت کے جملہ مباحات (Permissible) کا کیا ہوگا کیونکہ مباح تو کہتے ہی اسے ہیں جس کے کرنے کا

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۴۳، کتاب الاقضیه، باب نقض الاحکام الباطلة، رقم: ۱۷۱۸

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۸۰، رقم: ۲۵۵۱۱

۳۔ دار قطنی، السنن، ۴: ۲۲۷، رقم: ۸۱

۴۔ منذری، الترغیب والترهیب، ۱: ۴۴، رقم: ۷۷

۵۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱: ۶۵

شریعت میں حکم نہ ہو۔

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی مذکورہ دونوں روایات میں ''فھو رد'' کا اطلاق نہ صرف ''ما لیس منہ'' پر ہوتا ہے اور نہ ہی فقط ''أحدث'' پر بلکہ اس کا صحیح اطلاق اُس صورت میں ہوگا جہاں یہ دونوں چیزیں (أحدث اور ما لیس منہ) جمع ہو جائیں یعنی مردود فقط وہی عمل ہوگا جو نیا بھی ہو اور جس کی کوئی اصل، مثال یا دلیل بھی دین میں نہ ہو اور کسی جہت سے بھی وہ تعلیماتِ دین سے ثابت نہ ہو۔ پس اس وضاحت کی روشنی میں کسی بھی ''محدثہ'' کے بدعت و ضلالت قرار پانے کے لئے دو شرائط کا ہونا لازمی ہے۔

۱۔ دین میں اس کی سرے سے کوئی اصل، مثال یا دلیل موجود نہ ہو۔

۲۔ نہ صرف دین کے مخالف اور متضاد ہو بلکہ دین کی نفی کرے اور احکامِ سنت کو توڑے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ ہر وہ نیا کام جس کی کوئی اصل بالواسطہ یا بلا واسطہ نہ قرآن میں ہو نہ سنت رسول ﷺ میں اور اس کو ضروریاتِ دین[۱] میں شمار کر لیا جائے جس سے دین کی مخالفت بھی ہو، ایسی بدعت کو ''بدعت سیئہ'' اور ''بدعت ضلالہ'' کہتے ہیں اور حضور ﷺ کے ارشاد ''کل بدعة ضلالة'' سے بھی یہی بدعت مراد ہے نہ کہ ہر نئے کام کو ''ضلالة'' کہا جائے گا۔

> ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ بدعت کے اِسی تصور کو واضح کرتے ہوئے معروف غیر مقلد عالم **شیخ وحید الزمان** (المتوفی ۱۳۲۸ھ) نے علامہ بھوپالی کے حوالے سے اپنی کتاب ''ہدیۃ المہدی'' میں لکھا ہے کہ ''بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔''(۲)

(۱) ضروریاتِ دین ان چیزوں کو کہتے ہیں جن میں سے کسی ایک چیز کا انکار کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔

(۲) وحید الزمان، ھدیة المھدی: ۱۱۷

باب دوم

تصورِ بدعت کی درست تعبیر

فصل اول:

بدعات کا آغاز حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد ہوا

فصل دوم:

فتنوں سے بچنے کے لئے اِتباعِ رسول ﷺ اور اِتباعِ صحابہ کا حکم

فصل سوم:

اِحداث فی الدّین سے مراد اِرتداد کے فتنے ہیں

فصل چہارم:

فتنہء احداث و بدعات کا تعلق دورِ خلفاء راشدین سے ہے

فصل پنجم:

تاریخِ اسلام اور آغازِ بدعت

فصل اوّل

بدعات کا آغاز حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد ہوا

گذشتہ باب میں بدعت اور محدثہ کی تعریف کرتے ہوئے ہم یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ ہر وہ نیا کام جس پر دلیلِ شرعی موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگر چہ لُغوی اعتبار سے اسے بدعت ہی کہا جائے گا(۱)۔ اِس باب میں ان اُمور کی عملی و اِطلاقی صورت بیان کرنا مقصود ہے جن پر بدعات و محدثات کا اِطلاق ہوتا ہے، تاکہ ایک قاعدہ اور ضابطہ طے کر لیا جائے اور ہم کسی بھی معاملہ کو اِس کسوٹی (criterion) پر پرکھ کر یہ کہہ سکیں کہ آیا یہ بدعت اور اِحداث فی الدّین ہے یا نہیں۔ نفسِ مسئلہ کی تفہیم کے لئے سب سے پہلے تین کتب اَحادیث سننِ ابو داؤد، جامع ترمذی اور سننِ ابنِ ماجہ کی متعلقہ اَحادیث کے عنوانات کو ملا کر تصورِ بدعت سمجھانے کی کوشش کی جائے گی۔

بدعات کا آغاز حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد ہوا

بدعات سے مراد وہ محدثات الاُمور اور اِختلافِ کثیر ہیں جو حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں فتنہء اِنکارِ زکوٰۃ(۲)، فتنہء اِدّعائے

(۱) ۱۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱: ۲۵۲
۲۔ محمد شمس الحق، عون المعبود شرح سنن أبی داؤد، ۱۲: ۲۳۵
۳۔ عبد الرحمن مبارکپوری، تحفة الأحوذی، ۷: ۳۶۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۵۰۵، کتاب الزکاة، باب وجوب الزکاة، رقم: ۱۳۳۵
۲۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۶۵۷، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله، رقم: ۶۸۵۵
۳۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۵۱، کتاب الایمان، باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا لا اله إلا الله، رقم: ۲۰
۴۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۳، کتاب الایمان، باب أمرت أن أقاتل، رقم: ۲۶۰۷

نبوت (۱)، فتنہء ارتداد (۲) اور فتنۂ خوارج (۳) وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ اس مؤقف کی تائید میں کتبِ اَحادیث میں متعدد روایات پائی جاتی ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں

اَحادیثِ نبویہ سے استدلال

۱۔ **اِمام ابوداؤدؒ** (۲۷۵ھ) نے کتاب السنة کے ذیل میں "باب فی لزوم السنة" میں ایک حدیث بیان کی ہے جسکے راوی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَ وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ، فَقَالَ قَائِلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ: كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا؟ فَقَالَ: أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْداً حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافاً كَثِيْراً، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، تَمَسَّكُوْا بِهَا، وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ (۴)

---

(۱) يعقوبى، تاريخ اليعقوبى، ۲: ۱۳۰

(۲) ۱۔ نسائى، السنن، كتاب الجهاد، ۶: ۲، رقم: ۳۰۹۳

۲۔ ابن خزيمه، الصحيح، ۴: ۷، رقم: ۲۲۴۷

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۵۴۴، رقم: ۱۴۲۷

(۳) ۱۔ نسائي، السنن، كتاب تحريم الدم، باب من شهر سيفه ثم وضعه في الناس، ۷: ۱۱۹، رقم: ۴۱۰۳

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۲: ۳۱۲، رقم: ۳۵۶۶

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۴۲۱

(۴) ۱۔ ابوداؤد، السنن، كتاب السنة، باب فى لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذى، الجامع الصحيح، كتاب العلم، باب ما جاء فى الأخذ ←

''ایک روز حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر ہماری جانب متوجہ ہو کر دل میں اتر جانے والی نصیحتیں فرمائیں، جن سے آنکھیں بہنے لگیں اور دل کانپ اٹھے۔ ایک شخص عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو الوداعی نصیحت معلوم ہوتی ہے لہٰذا ہمیں کوئی وصیت فرمائیے۔ ارشاد فرمایا: میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور امیر کے فرمانبردار رہنے کی خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ جو تم میں سے میرے بعد زندہ رہا تو وہ عنقریب بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ پس تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر قائم رہنا لازم ہے، اس کو تھامے رہنا اور اسے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ دین میں جو فتنے داخل کئے جائیں ان سے بچتے رہنا کیونکہ ہر فتنہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

وضاحت

اس حدیثِ مبارکہ میں چند اہم اُمور ترتیب سے سمجھنے کی ضرورت ہے:

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں کوئی وصیت فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: أُوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ یعنی میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ تقویٰ اختیار کرنے کا یہ حکم بمنزلہ نصیحت اور وصیت تھا کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا میرا حکم ہے۔

...... بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۶۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

۷۔ دارمی، السنن، ۱: ۵۷، رقم: ۹۵

۸۔ بیهقی، شعب الايمان، ۶: ۶۷، رقم: ۷۵۱۶

ب۔ دوسری اہم وصیت سمع و طاعت تھی، فرمایا ! وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا کہ اگر تم پر حبشی غلام بھی خلیفہ یا سربراہ مقرر کر دیا جائے تب بھی اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا (اس ساری بحث کو حدیث کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة کے پس منظر کے طور پر ذہن میں رکھیں تاکہ مربوط طریقے سے بات سمجھی جا سکے)

ج۔ حدیث زیرِ بحث میں تیسری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور ﷺ نے دورِ فتن کے تعین کا اِشارہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرىٰ اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا یعنی اے میرے صحابہ میرے وصال کے بعد تم میں سے جو بھی زندہ رہا تو وہ عنقریب کثرت کے ساتھ اِختلاف دیکھے گا۔ اس حدیث میں لفظ فسیری توجہ طلب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اختلافِ کثیر، گروہ بندیاں، اور فتن جن کا ذکر حضور ﷺ فرما رہے ہیں ان کا تعلق صدیوں بعد کے فتن سے نہیں ہے بلکہ یہ حضور ﷺ کے وصال فرمانے کے فوراً بعد دورِ صحابہ اور دورِ خلفاءِ راشدین میں رونما ہوں گے یعنی ان اِختلافات اور فتن کی زد میں براہِ راست خلفاء راشدین آئیں گے، کیونکہ یہ حضور ﷺ کے بعد اُمت کے رہنما اور پیشوا ہوں گے۔ ان پُر آشوب حالات میں حضور ﷺ نے اُمت کی رہنمائی کے لئے ضابطے کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ یعنی میرے فوری بعد دورِ فتن میں جب دھڑے بندیاں اور گروہ بندیاں شروع ہو جائیں اور لوگ پریشان ہونے لگیں کہ کس کی مانیں اور کس کی نہ مانیں، تو تذبذب اور تردّد کا شکار ہونے کی بجائے میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو تھامے رکھنا۔ حضور ﷺ نے مزید تاکید کرتے ہوئے اِنہیں تلقین فرمائی: تَمَسَّكُوْا بِهَا، وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ اس کو مضبوطی سے تھام لینا اور دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لینا کہ چھوٹنے نہ پائے۔ حضور ﷺ نے بدعات کا سارا زمانہ اور ان کی نوعیت متعین فرمانے کے بعد اِرشاد فرمایا: وَإِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ " محدثات الاُمور سے بچتے رہنا کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی

ہے“ یعنی خلفاء راشدین کے ساتھ اس طرح متمسک ہو جانا کہ جو وہ کہیں اسے مان لینا اور جو اُن کے مخالف کہیں اُسے چھوڑ دینا، یہی راہ ہدایت ہے۔

اس حدیث کے مضامین پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ محدثات الأمور وہ اِختلافِ کثیر ہیں جو حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد خلفاء راشدین کے زمانے میں فتنہء اِنکارِ زکوٰۃ، فتنہء اِدّعائے نبوت اور فتنہء اِرتداد وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ انہیں ”محدثات الأُمور“ کو حضور ﷺ نے بدعت قرار دیا۔

اہم نوٹ

اس ترتیب اور وضاحت پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ جو اُمور خلافتِ راشدہ میں ایجاد ہوئے لغوی اِعتبار سے وہ بھی بدعت ہیں۔ لہٰذا یہ موقف مبنی بر صداقت نہیں ہے کہ خلافتِ راشدہ میں ایجاد ہونے والے اُمور بدعت نہیں۔ اس کی تائید اسی حدیث کے اگلے الفاظ سے ہو رہی ہے جس میں حضور ﷺ نے خلافتِ راشدہ میں ظاہر ہونے والے ”اختلافِ کثیر“ سے لوگوں کو بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ”إیّاکم و محدثات الأُمور“ کہ اے لوگو! میرے بعد عنقریب ظاہر ہونے والے محدثات (یعنی اِختلافِ کثیر) کے فتنہ سے بچتے رہنا کیونکہ ”فانّ کلّ محدثة بدعة“ ہر محدثہ بدعت ہے اور ”کلّ بدعة ضلالة“ اور ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے“۔ پس ”محدثات الامور“ وہ فتنے تھے جو حضور ﷺ کے وصال کے فوری بعد خلافتِ راشدہ کے زمانۂ قریب میں ”اِختلافِ کثیر“ کی صورت میں ظاہر ہوئے اور ان فتنوں سے بچنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ”فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین“ کہ اگر ان فتنوں سے بچنا چاہتے ہو تو میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت پر چلتے رہنا۔

اسی طرح حدیث ”من أحدث فی أمرنا هذا مالیس فیه فهو ردٌّ“(۱) میں

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۵۹، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، رقم: ۲۵۵۰

۲۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۶

←

بھی أحدث سے مراد یہی اُمور ہیں۔ اِن حالات میں حضور ﷺ نے یہ رہنمائی فراہم کی کہ عنقریب جب بعض لوگ اِسلام کے بنیادی رُکن زکوٰۃ کا انکار کر دیں گے، عقیدۂ ختم نبوت پر حملہ ہو گا اور کچھ لوگ فتنۂ اِرتداد میں مبتلا ہو جائیں گے، اُمت میں انتشار و افتراق اور اختلاف کثیر ہو گا۔ سادہ لوح مسلمان تشکیک و اِبہام میں مبتلا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں گے کہ اب کدھر جائیں تو ان حالات میں آپ ﷺ نے رہنمائی فرمائی کہ دائیں بائیں جانے کی بجائے صرف میرے خلفائے راشدین کے پیچھے جانا کیونکہ یہ میرے راستے پر ہیں۔

۲۔ اِسی حدیث کو چند اَلفاظ کے اِضافہ کے ساتھ **امام ترمذی**ؒ (۲۷۹ھ) نے جامع ترمذی کی کتاب العلم میں **باب ماجاء فی الأخذ بالسنة و اِجتناب البدعة** کے ذیل میں درج کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے **أخذ بالسنة** اور **اجتناب أهل البدعة** کو آمنے سامنے لا کھڑا کیا ہے، یعنی سنتوں کے تھامنے اور بدعتوں کے ترک کر دینے کو ایک دوسرے کے متقابل بیان کیا ہے۔ اس حدیث کا مکمل متن درج ذیل ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَوْمًا بَعْدَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَ وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ، فَقَالَ رَجُلٌ: إِنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ يَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا، وَإِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ، فَمَنْ أَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ

.... ۳۔ ابو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸

۴۔ ابو یعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴

۵۔ ابن جارود، المنتقی، ۱: ۲۵۱، رقم: ۱۰۰۲

۶۔ بیہقی، الاعتقاد، ۱: ۲۲۹

۷۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳:۵۷۹، رقم: ۵۸۱۲

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

الْمَهْدِيِّيْنَ، عَضُّوْا عَلَيْهَا بَالنَّوَاجِذِ ـ(۱)

''ایک روز حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز کے بعد نہایت بلیغ نصیحتیں فرمائیں جن سے آنکھیں پرنم ہوگئیں اور دل کانپ اٹھے۔ ایک شخص عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو الوداعی نصیحت معلوم ہوتی ہے لہٰذا ہمیں کوئی وصیت فرمائیے۔ اِرشاد فرمایا: میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی اور حاکمِ وقت کے فرمانبردار رہنے کی وصیت کرتا ہوں خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ پس جو تم میں سے زندہ رہا تو وہ بہت زیادہ اِختلاف دیکھے گا، دین میں جو نئے کام جاری کئے جائیں اِن سے بچتے رہنا کیونکہ وہ گمراہی ہیں اور تم پر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت پر قائم رہنا لازم ہے۔ اس (وصیت) کو دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لو۔''

جامع ترمذی کی اس حدیثِ مبارکہ نے سنن ابوداؤد کی پیچھے ذکر کی گئی حدیث کی وضاحت کر دی ہے۔ سنن ابوداؤد میں وَإِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ کے الفاظ تھے

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح،، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة و اِجتناب البدع، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۲۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۶۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

۷۔ دارمی، السنن، ۱: ۵۷، رقم: ۹۵

۸۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۶۷، رقم: ۷۵۱۶

۹۔ حاكم، المستدرك، ۱: ۱۷۴، رقم: ۳۲۹

جبکہ جامع ترمذی کی روایت میں وَإِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ کے الفاظ ہیں۔ امام ترمذیؒ کی روایت میں فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ کے الفاظ نے تشریح اور صراحت کر دی کہ وہ اختلافِ کثیر اور محدثات الاُمور جو حضور ﷺ کے وصال کے فوری بعد رونما ہوئے اصل میں وہ ضلالت و گمراہی ہیں، نہ کہ میلاد، عرس اور ختم و درود جیسے اَعمالِ صالحہ۔ اِسطرح حضور ﷺ نے فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ فرما کر خود اعمالِ بدعت کو متعین فرما دیا کہ یہ نئے اعمالِ صالحہ، بدعت نہیں بلکہ اختلافِ کثیر بدعت ہیں۔ لہٰذا جو شخص اُس زمانۂ فتن کو پائے اس پر لازم ہے کہ میرے خلفاء راشدین کی سنت کو تھام لے کیونکہ ان کی سنت میری سنت ہے۔

۳۔ درج ذیل احادیثِ مبارکہ میں بھی اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ’’احداث فی الدّین ‘‘(یعنی دین میں فتنہ) کا آغاز حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا، جس میں فتنۂ اِرتداد، فتنۂ انکارِ زکوٰۃ اور فتنۂ اِدّعائے نبوت جیسے متعدد فتن کا ظہور ہوا۔ امام بخاریؒ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۳۲ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أنا فرطكم على الحوض و لَيُرْفَعَنَّ رجال منكم ثم لَيُخْتَلَجُنَّ دوني، فأقول: يا رب أصحابي فيقال: إنّک لا تدری ما أحدثوا بعدک۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، ۵: ۲۴۰۴، رقم: ۶۲۰۵
۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب و کنت علیهم شهیدا، ۴: ۱۶۹۱، رقم: ۴۳۴۹
۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنة، باب فناء الدنیا، ۴: ۲۱۹۴، رقم: ۲۸۶۰
۴۔ ترمذی، السنن، کتاب التفسیر، باب من سورة الأنبیاء، ۵: ۳۲۱، رقم: ۳۱۶۷
۵۔ نسائی، السنن، کتاب الجنائز، باب أول من یکسی، ۴: ۱۱۷، رقم: ۲۰۸۷
۶۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۳۳۹، رقم: ۱۱۱۶۰
۷۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۷: ۸۷، رقم: ۳۴۳۹۷
۸۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۳۹، رقم: ۴۱۸۰

''میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا اور تم میں سے کچھ آدمی مجھ پر پیش کیے جائیں گے پھر وہ مجھ سے جدا کر دیئے جائیں گے، تو میں کہوں گا: اے میرے رب! (یہ تو) میرے لوگ ہیں، تو کہا جائے گا: کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئے کام ایجاد کئے تھے؟''

۴۔ امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ترد علي أمتي الحوض. وأنا أذود الناس عنه. كما يذود الرجل إبل الرجل عن إبله. قالوا: يا نبي الله! أتعرفنا؟ قال: نعم. لكم سيما ليست لأحد غيركم. تردون علي غُرًّا مُحَجِّلِيْنَ من آثار الوضوء، وليصدن عني طائفة منكم فلا يصلون. فأقول: يا ربّ، هؤلاء من أصحابي. فَيُجِيْبُنِي ملك فيقول: وهل تدري ما أحدثوا بعدك۔(۱)

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، ۱: ۲۱۷، كتاب الطهارة، باب إستحباب إطالة الغرة والتحجيل في الوضوء، رقم: ۲۴۷

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، ۵: ۲۴۰۴، رقم: ۶۲۰۵

۳۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب وکنت علیهم شهيدا، ۴: ۱۶۹۱، رقم: ۴۳۴۹

۴۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنة، باب فناء الدنیا ۴: ۲۱۹۴، رقم: ۲۸۶۰

۵۔ ترمذی، السنن، کتاب التفسیر، باب من سورة الأنبياء، ۵: ۳۲۱، رقم: ۳۱۶۷

۶۔ نسائی، السنن، کتاب الجنائز، باب أول من یکسی، ۴: ۱۱۷، رقم: ۲۰۸۷

۷۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۳۳۹، رقم: ۱۱۱۶۰

۸۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۷: ۸۷، رقم: ۳۴۳۹۷

۹۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۳۹، رقم: ۴۱۸۰

’’میرے اُمتی حوضِ کوثر پر میرے پاس آئیں گے اور میں لوگوں کو اس سے ایسے ہٹاؤں گا جیسے کوئی شخص دوسرے کے اُونٹوں کو اپنے اُونٹوں سے دور ہٹا تا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: یانبي اللہ ﷺ! کیا آپ ہمیں پہچان لیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تمہاری ایک خاص نشانی ہوگی جو تمہارے سوا کسی کی نہ ہوگی۔ تم میرے پاس وضو کے باعث روشن پیشانیوں، ہاتھوں اور پاؤں کے ساتھ آؤ گے، اور تم میں سے ایک گروہ کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا پس وہ (ہمیں) نہیں ملیں گے تو میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے لوگ ہیں تو مجھے ایک فرشتہ جواب دیتے ہوئے عرض کرے گا: آپ یقیناً جانتے ہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا نئی چیزیں نکالیں تھیں۔‘‘

مذکورہ دونوں روایات میں **یا رب أصحابی** اور **أحدثوا بعدک** کے الفاظ واضح کر رہے ہیں کہ دورِفتن کا آغاز حضور ﷺ کے وصال کے فوری بعد دورِ خلفاء راشدین میں ہو گیا تھا۔

وضاحت

مذکورہ حدیث کے آخر میں لفظِ ”ھل“ مذکور ہوا ہے۔ یہ لفظ سوال و اِستفہام کا معنی دینے کے ساتھ ساتھ دیگر معانی مثلاً تاکید اور تحقیق کے لئے بھی اِستعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں لفظ ’’ھل‘‘ بمعنی **قد** یعنی تاکید ہے۔ یعنی یہاں پر ’’ھل‘‘ اِستفہامِ تقریری کے لیے ہے۔ اِس طرح حدیث ’’**ھل تدري ما أحدثوا بعدک**‘‘ کا معنی یہ ہوگا (اے اللہ کے رسول ﷺ) یقیناً آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئے فتنے گھڑ لیے تھے‘‘۔

قرآنِ مجید میں بھی ’’ھل‘‘ اِس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اِرشاد باری تعالی ہے هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا[۱] ’’بے شک

(۱) الدھر، ۷۶:۱

انسان پر زمانے کا ایک ایسا وقت بھی گزر چکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذِکر چیز ہی نہ تھا۔'' اسی طرح سورہ طٰہ میں اِرشاد ہوتا ہے: وَ هَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی [۲] ''اور بے شک آپ کو موسیٰؑ (کے احوال) کی خبر پہنچی ہے۔''

متذکرہ بالا آیاتِ مقدسہ میں لفظِ ''ھل'' تاکید اور واقعہ کے اِثبات کے لئے بیان ہوا ہے، اِس لئے ہم نے حدیث ''و ھل تدری ما أحدثوا بعدک'' کا ترجمہ سوالیہ کی بجائے تاکید اور اِثبات کے معنٰی میں کیا ہے۔

❋ ❋ ❋

(۲) طٰہ، ۲۰: ۹

فصل دوم:

فتنوں سے بچنے کے لئے اِتباعِ رسول ﷺ اور اِتباعِ صحابہ کا حکم

- خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں اہلِ بدعت کا خصوصی ذکر
- بدعت و ضلالت کے دائرے کا تعین
- ایک علمی مغالطہ

حضور نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف دورِ فتن کا تعیّن فرمایا بلکہ اِس دور میں ضلالت و گمراہی سے بچنے کا طریقہ بھی واضح فرما دیا کہ اس دور میں فتنوں سے بچنے کا واحد راستہ اتباعِ رسول ﷺ اور اتباع صحابہ رضی اللہ عنہم ہو گا یعنی میرے فوری بعد دورِ فتن میں جب دھڑے بندیاں اور گروہ بندیاں شروع ہو جائیں اور لوگ پریشان ہونے لگیں کہ کس کی مانیں اور کس کی نہ مانیں، تو تذبذب اور تردّد کا شکار ہونے کی بجائے میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو تھامے رکھنا۔ خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ خوب متمسّک ہو جانا کہ اِن کہ سنت میری ہی سنت ہو گی جو وہ کہیں اسے مان لینا اور جو ان کے مخالف کہیں اسے چھوڑ دینا، یہی راہِ ہدایت اور اِحداث و بدعات سے محفوظ و مأمون طریقہ ہے۔

احادیثِ مبارکہ سے وضاحت

۱۔ امام ابن ماجہؒ (۲۷۳ھ) سننِ ابن ماجہ کے مقدمہ میں باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين کے ذیل میں حدیث نقل کرتے ہیں جسکے راوی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ ہیں، وہ بیان کرتے ہیں:

قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ، فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً، وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ وَ ذَرَفَتْ مِنْهَاالْعُيُوْنُ. فَقِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَعَظْتَ مَوْعِظَةَ مُوَدِّعٍ فَاعْهَدْ اِلَيْنَا بِعَهْدٍ. فَقَالَ "عَلَيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا وَسَتَرَوْنَ مِنْ بَعْدِى اِخْتِلافًا شَدِيداً. فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِى وَ سُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ. عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ. وَاِيَّاكُمْ وَالْاُمُوْرَ الْمُحْدَثَاتِ. فَاِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔(۱)

(۱) ۱۔ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، ۱:۱۵، رقم: ۴۲

۲۔ ابوداؤد، السنن، كتاب السنة، باب فى لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

←

”رسول اللہ ﷺ ایک دن ہمارے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور ہمیں بہت عمدہ نصیحت فرمائی، جس سے لوگوں کے دل لرز اٹھے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ لوگوں نے عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ: آپ نے تو ہمیں ایسی نصیحت فرمائی ہے جیسے کوئی کسی کو رخصت کررہا ہو۔ آپ ہم سے کوئی عہد و پیمان لے لیجیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! تم اللہ کے خوف، اَمیر کا حکم سننے اور اِطاعت کرنے کو اپنے اُوپر لازم سمجھ لو چاہے تمہارا اَمیر ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ تم میرے بعد بہت اختلاف دیکھو گے۔ تم میری سنت اور خلفاء راشدین المہدیین کی سنت کو لازم پکڑ لینا اور ان کے طریقہ کو مضبوطی کے ساتھ دانتوں سے پکڑ لینا (یعنی اِس پر جمے رہنا) اور بدعات سے گریز کرنا کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔“

وضاحت

اس حدیثِ مبارکہ کا پس منظر اور شانِ ورود ہی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں پیدا ہونے والے فتن تھےجن کی صراحت حضور ﷺ نے اِیَّاکُمْ وَالْأُمُوْرَ الْمُحَدَثَاتِ

......۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۴۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

۸۔ دارمی، السنن، ۱: ۵۷، رقم: ۹۵

۹۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۶۷، رقم: ۷۵۱۶

۱۰۔ حاکم، المستدرك، ۱: ۱۷۴، رقم: ۳۲۹

فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ کہہ کر فرما دی اور انہیں کے مقابلے میں سنتِ نبوی اور سنتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو اپنانے کا حکم دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منشاء و مراد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس حدیث کے باب کا عنوان ہی اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين مقرر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک دورِ فتن اور دورِ ارتداد میں اِیمان کے بچاؤ کا واحد راستہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی اطاعت و اتباع ہے، یہی وجہ ہے کہ سننِ ابن ماجہ کی اِسی حدیث کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عَلَيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا کی مثال بیان کی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! یہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم تو میرے قریبی صحابہ اور ساتھی ہیں، میرے مہاجرین اور انصار ہیں، اِنہوں نے تو بڑی قربانیاں دی ہیں اور میرے ساتھ مل کر اسلام کو اِستحکام دیا ہے، اگر ایسے موقع پر کوئی حبشی غلام بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے تو سنت یہ ہے کہ اس کی بات سنو اور اس کے حکم پر عمل کرو، لہٰذا دورِ ابتلاء و آزمائش میں صرف خلفاء راشدین کے پیچھے جانا، ان کی ہی اطاعت کرنا اور ان کے مقابلے میں فتنہ انگیزوں اور ان کے مخالفین کے پیچھے نہ جانا۔

۲۔ **امام حاکم** رحمہ اللہ (۴۰۵ھ) نے اسی روایت کو بعض الفاظ کے تغیّر کے ساتھ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں:

خرج علينا رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يوما فقام فوعظ الناس و رغبهم و حذرهم و قال: ما شاء الله أن يقول ثم قال: اعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وأطيعوا من ولاه الله أمركم، ولا تنازعوا الأمر أهله، لو كان عبدا أسود، وعليكم بما تعرفون من سنة نبيكم والخلفاء الراشدين المهديين، و عضّوا على نواجذكم بالحق۔(۱)

(۱) ۱۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۱۷۵، رقم: ۳۳۰
۲۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، رقم: ۴۳

←

’’ایک روز حضور نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور کھڑے ہو کرلوگوں کو وعظ و نصیحت اور ترغیب وتحذیر کی اور جو اللہ نے چاہا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر فرمایا: تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اللہ جس کے سپرد تمہارا معاملہ کرے اس کی اطاعت کرو اور تم امارت میں اس کے اہل سے جھگڑا نہ کرو اگرچہ وہ حبشی غلام ہو اور اپنے نبی ﷺ اور رشد و ہدایت والے خلفاء رضی اللہ عنہم کی سنت جو تم جانتے ہو، پر عمل کرنا لازم ہے اور تم اسے دانتوں سے مضبوطی سے پکڑ لو (یعنی اس پر جمے رہو)‘‘

۳۔ اِمام طبرانیؒ (۳۶۰ھ) بھی اسی حدیث کو المعجم الکبیر میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قام فينا رسول الله ﷺ ذات غداة فوعظنا موعظة وجلت منها القلوب و ذرفت منها العيون فقلنا: يا رسول الله! إنک قد وعظتنا موعظة مودع فاعهد إلينا فقال: عليكم بتقوى الله والسمع والطاعة وإن كان عبدا حبشيًّا فسيرى من بقي من بعدي اِختلافًا شديدا فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء المهديين الراشدين و عضّوا عليها بالنّواجذ وإيّاكم و المحدثات فإنّ كلّ محدثة ضلالة۔(۱)

...... ۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۷، رقم: ۶۱۹

۵۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۱: ۱۹، رقم: ۳۳

۶۔ بیہقی، المدخل، ۱: ۱۱۶، رقم: ۵۱

۷۔ هبة الله، إعتقاد أهل السنة، ۱: ۲۲

۸۔ مقرئ، السنن الواردة فی الفتن، ۲: ۳۸۲، رقم: ۱۲۶

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، رقم: ۴۳

←

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے صبح کے وقت ہمارے درمیان قیام فرمایا اور ہمیں نصیحت آموز وعظ کیا، جس سے دل کانپ اٹھے اور آنکھیں بہنے لگیں۔ پس ہم عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ ﷺ! بے شک آپ نے ہمیں الوداعی وعظ کیا ہے، لہٰذا ہمیں کوئی وصیت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور حاکمِ وقت کے فرمانبردار اور اطاعت گزار رہنے کی، خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اور تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہا تو وہ بہت شدید اختلاف دیکھے گا، پس تم پر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین ﷺ کی سنت پر قائم رہنا لازم ہے، اس کو دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑ لو، اور دین میں جو نئے فتنے جاری کئے جائیں ان سے بچتے رہنا کیونکہ ہر فتنہ گمراہی ہے۔‘‘

وضاحت

مذکورہ روایات میں حضور ﷺ نے نہ صرف ’’**محدثات الأمور**‘‘ کے حقیقی اطلاق بلکہ زمانے کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے جو چند دن جیئے گا وہ ’’اِختلاف کثیر‘‘ کی شکل میں ظاہر ہونے والے فتنوں کو دیکھ لے گا اور اس وقت وہ سوچے گا کہ اب کس کی بات مانے اور کس کی نہ مانے؟ یہ وہ فتنے تھے جو حضور اکرم ﷺ کے وصال کے فوری بعد خلافتِ راشدہ کے زمانہء قریب میں ظاہر ہوئے۔ ان فتنوں سے بچنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ’’**فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء المهديين الراشدين**‘‘ اِن الفاظ سے یہ عندیہ بھی ملتا ہے کہ خلفاء راشدین ﷺ کے دور

...... ۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۴۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۷۵، رقم: ۳۳۱

۵۔ ابن ابی عاصم، السنۃ، ۱: ۱۹، رقم: ۳۳

۶۔ بیہقی، المدخل، ۱: ۱۱۶، رقم: ۵۱

۷۔ هبة الله، إعتقاد أهل السنة، ۱: ۲۲

میں فتنے پیدا ہوں گے یعنی فتنۂ اِرتداد، فتنہ منکرینِ زکوٰۃ، فتنہ خوارج اور جھوٹے مدعیان نبوت نمودار ہوں گے لہٰذا آپ ﷺ کے وصال کے بعد بعض لوگوں نے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا، کئی قبیلے مرتد ہو گئے اور بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے اِنکار کر دیا۔ اِن کی سرکوبی کے لیے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اَفواج بھیجیں۔ حدیثِ پاک میں اِن حالات کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس دور میں اگر ان فتنوں سے بچنا چاہتے ہو تو میری اور میرے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت پر چلنا، جو میرے خلفائے راشدین فیصلہ کریں تم اس کو مضبوطی سے تھام لینا، وہی میری سنت ہوگی اور جو میرے خلفائے راشدین کی راہ پر چلے گا وہ حق پر ہوگا، جو اس راستے سے ہٹ کر دیگر فتنے اِیجاد کرے گا وہ ''**محدثات الأُمور**'' ہوں گے ایسے اُمور ''**بدعات**'' ہوں گے اور ایسی بدعات ''ضلالت'' شمار ہوں گی۔

اِن تمام متذکرہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں رونما ہونے والے فتنوں کی طرف اشارہ کر دیا تھا اور **فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین** فرما کر اُمت کی یہ رہنمائی بھی فرما دی تھی کہ ایسے دورِ فتن میں ہدایت یافتہ طبقہ کون سا ہوگا اور تمہیں کس طبقے کا ساتھ دینا ہوگا۔

۴۔ **امام شہرستانیؒ** (المتوفی ۵۴۸ھ) **الملل والنحل** میں نقل کرتے ہیں کہ جب خوارج نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدعتی اور کافر کہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کی (الملل والنحل، ۱:۱۳۷) اور مسلمانوں کے خلاف فتنہ و فساد کا ایک محاذ کھڑا کر دیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے خلاف لشکرکشی کی۔ دوسری طرف خوارج کا نام نہاد زہد وتقویٰ اور بلند اَخلاق دیکھ کر بعض صحابہؓ بھی شش و پنج میں پڑ گئے کہ اب کس طرف جائیں اور کس کی پیروی کریں؟ **امام طبرانیؒ** (۳۶۰ھ) **المعجم الاوسط** میں اس حوالے سے حضرت جُندَب رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

عن جندب قال لما فارقت الخوارج علیًّا خرج فی طلبهم و خرجنا معه فانتهینا اِلی عسکر القوم فاذا لهم دوی کدوی النحل

من قراء ة القرآن و فيهم أصحاب الثفنات و اصحاب البرانس فلما رأيتهم دخلنی من ذلک شکّ فتنحيت فرکزت رمحی و نزلت عن فرسی و وضعت ترسی فنشرت عليه درعی و أخذت بمقود فرسی فقمت اصلی إلی رمحی و انا أقول فی صلاتی اللّهم إن کان قتال هولاء القوم لک طاعة فاء ذن لی فيه و اِن کان معصيّة فأرنی براء تک قال فانا کذلک اذا أقبل علیّ بن اَبی طالب علی بغلة رسول الله ﷺ فلمّا حاذانی قال تعوّذ بالله يا جُندَبُ من الشّک۔(۱)

’’حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علیحدہ ہوگئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی تلاش میں نکلے اور ہم بھی ساتھ تھے۔ جب ہم ان کے لشکر کے قریب پہنچے تو قرآن شریف پڑھنے کا ایک شور سنا گیا اور ان کی حالت یہ تھی کہ تہبند باندھے ہوئے اور ٹوپیاں اوڑھے ہوئے تھے یعنی کمال درجہ کے زاہد و عابد نظر آتے تھے۔ یہ حال دیکھ کر مجھ پر ان کا قتال نہایت شاق گزرا اور میں نے ایک طرف نیزہ گاڑھ کر ٹوپی اور زرہ اس پر ٹانگی اور گھوڑے سے اتر کر نیزہ کی سمت نماز شروع کر دی اور اس میں دعا یہ تھی کہ ’’الٰہی اگر اس قوم کا قتل کرنا تیری اِطاعت ہے تو مجھے اِجازت مل جائے اور اگر معصیت ہے تو مجھے اس رائے پر اطلاع ہو۔‘‘ ہنوز اس سے فارغ نہ ہوا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دیوانہ وار میرے پاس آئے اور فرمایا! اے جندب رضی اللہ عنہ! شک کے شر سے پناہ مانگو۔‘‘

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴: ۲۲۷، رقم: ۴۰۵۱
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۲۴۱
۳۔ عسقلانی، فتح الباری، ۱۲: ۲۹۶
۴۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۷: ۳۴۹

اس سے حضرت جندب رضی اللہ عنہ کو انشراحِ صدر نصیب ہوا کہ حق کس طرف ہے لہٰذا جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے خلاف اِعلانِ جنگ کیا تو حضرت جندب خوارج کے خلاف دیوانہ وار لڑے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بھرپور ساتھ دیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ**(۱) یعنی ایسے دورِ فتن میں حق پر وہی ہوگا جو اس اکثریتی گروہ یعنی خلفاء راشدین کے ساتھ ہوگا۔

خلفاء راشدین کے مقابلے میں اہلِ بدعت کا خصوصی ذکر

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور فتنہ پرور گروہ کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دورِ فتن میں ایک طرف خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ہوں گے اور دوسری طرف ان کے مخالفین جھوٹے مدعیانِ نبوت، منکرینِ زکوٰۃ، مرتدین اور ان کے سرغنہ ہوں گے۔ ان دونوں کے درمیان اِختلافِ کثیر ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس صورتحال کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ منکرین و مرتدین کا عمل محدثات الأمور ہے، لہٰذا کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة(۱) ان کا انجام ہوگا جبکہ ان کے مقابلے میں اہلِ حق کا عمل علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهديين(۲) ہوگا یعنی جو لوگ میری اور میرے خلفاء کی سنت سے متمسک ہو جائیں گے وہ راہ ہدایت پر ہوں گے

(۱) ۱۔ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۲) ایضاً

اور جو ان کی مخالفت کر کے کسی دوسرے راستے پر چلیں گے وہ من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس فیه فهو ردٌّ[1] کے مصداق بن کر مردود و مقہور ہو جائیں گے۔

بدعتِ ضلالت کے دائرے کا تعیّن

حضور ﷺ نے اِس حقیقت کو واضح فرماتے ہوئے اِحداث و بدعت کے مفہوم اور اس کے دائرے کو متعین فرما دیا کہ کس سطح کے اُمورِ مُحدثات و بدعات ہوں گے اور کون سے نہیں ۔ جیسے فتنہء اِرتداد، فتنہء اِنکارِ زکوٰۃ اور فتنہء اِدّعائے نبوت کو بدعات میں شامل فرمایا، اسی طرح اگر کوئی نماز کا اِنکار کر دے، حج کا انکار کر دے، اَرکان اسلام یا ضروریاتِ دین میں سے کسی اَمر کا انکار کر دے یا اُمورِ دین میں کسی چیز کا اضافہ کر دے، تو یہ سارے فتنے اِحداث اور بدعت شمار ہوں گے۔ لہٰذا اب نیکی اور بھلائی کے چھوٹے چھوٹے اُمور پر بدعت اور اِحداث کا اِطلاق کرنا بذاتِ خود محدثۃ اور ضلالۃ کے زمرے میں آتا ہے۔ اِسی طرح دین کے اُمورِ صالحات، نفلی عبادات اور خیرات و صدقات یہ سب اُمور نہ دین کی ضروریات میں سے ہیں اور نہ ہی ضروریاتِ دین میں اِضافہ ہیں۔ ایسے جملہ اُمور کو بدعت کہنا بذاتِ خود بدعت ہے، لہٰذا اِنہیں بدعت اور مُحدِثہ کہنے والے خود مُحدِث یعنی بدعتی ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ نے دین میں اِحداث اور بدعت دیگر چیزوں کو کہا ہے مگر آج بعض مذہبی اِنتہا پسند حسنات و صالحات کو بدعت کہہ رہے ہیں۔ سننِ ابن ماجہ میں ہی اسی باب کے ذیل میں چند الفاظ کے تغیّر کے ساتھ دوسری روایت ہے کہ

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۵۹، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، رقم: ۲۵۵۰

۲۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۶

۳۔ ابو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸

۴۔ ابو یعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴

۵۔ ابن جارود، المنتقی، ۱: ۲۵۱، رقم: ۱۰۰۲

حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

وعظنا رسول الله ﷺ موعظة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب. فقلنا: يا رسول الله إنّ هذه لموعظة مُوَدِّعٍ. فماذا تَعْهَدُ إلينا؟ قال: قد تركتكم على البيضاءِ ليلُها كنهارِها. لا يَزِيغُ عنها بعدي إلا هالكٌ. من يعش منكم فسيرى اِختلافا كثيرا فعليكم بما عرفتم من سنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين. عضُّوا عليها بالنواجذ. وعليكم بالطّاعة. وإنْ عَبْداً حَبَشِيًّا. فإنّما المؤمن كَالْجَمَلِ الأَنِفِ. حيثما قِيْدَ انْقَادَ۔ (۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں نصیحت آموز وعظ کیا جس سے آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں اور دل کانپ اُٹھے۔ پس ہم عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو اَلوداعی نصیحت معلوم ہوتی ہے لہٰذا ہمیں کوئی وصیت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: میں تمہیں ایسے پاکیزہ دین پر چھوڑے جارہا ہوں کہ جس کی راتیں اس کے دن جیسی ہیں۔ سوائے ہلاک ہونے والے شخص کے کوئی اس سے رُوگردانی نہیں کرے گا۔ جو کوئی تم میں سے زندہ رہا تو وہ بہت زیادہ اِختلاف دیکھے گا۔ پس تم پر (قائم رہنا) لازم ہے جو تم نے جانا میری سنت اور میرے خلفاء کی سنت سے جو رشد و ہدایت والے ہیں اور اسے دانتوں کے ساتھ

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، رقم: ۴۳

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۳۔ حاکم، المستدرك، ۱: ۱۷۵، رقم: ۳۳۱

۴۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۸: ۲۴۷، رقم: ۶۱۹

۵۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۱: ۱۹، رقم: ۳۳

۶۔ بیہقی، المدخل، ۱: ۱۱۶، رقم: ۵۱

۷۔ هبة الله، إعتقاد أهل السنة، ۱: ۲۲

مضبوطی سے پکڑ لو، اور تم پر حاکمِ وقت کی اِطاعت کرنا لازم ہے خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، مؤمن صرف ناک میں نکیل ڈالے جانے والے اُونٹ کی مانند ہوتا ہے کہ جیسے اُسے کھینچا جائے وہ تابعدار ہوتا ہے۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ کے الفاظ ’’**فعلیکم بما عرفتم من سُنّتي و سنّة الخلفاء الراشدین المهدیین**‘‘ سے واضح ہوتا ہے کہ خلفاءِ راشدین کی اِطاعت بھی واجب ہے۔ اسی لئے مزید فرمایا گیا **وعلیکم بالطاعة و ان عبداً حبشیاً** یعنی اپنے اَمیر کی اطاعت کرو چاہے وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ **جب ایک حبشی امیر کی اِطاعت لازم ہے تو خلیفہ کی اطاعت کیسے لازم نہیں ہو گی۔**

ایک علمی مغالطہ

بعض لوگ تصورِ بدعت کے حوالے سے ایک علمی خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں کہ وہ اپنے مزعومہ عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے حدیث کے کسی خاص ٹکڑے کو اپنے سیاق و سباق سے کاٹ کر پیش کرتے ہیں اور اس خاص حصے کو اِس حد تک کثرت سے بیان کرتے ہیں کہ سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ شاید یہی مکمل حدیث ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ کسی مکمل حدیث کا ایک جزو ہوتا ہے۔ مثلاً فرمانِ رسول ’’**إیّاکم و محدثات الامور فانّ کلّ محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة**‘‘[1] الگ سے کوئی حدیث نہیں بلکہ

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

←

ایک مکمل مضمونِ حدیث کا ایک حصہ ہے، جسے وہ کثرت سے اپنے سیاق و سباق سے الگ غلط طریقے سے بیان کرتے ہیں جس سے عوام الناس اور عام طلباء غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس امر پر غور نہیں کیا جاتا کہ حضور ﷺ کے فرمان سے غلط اِستدلال کیا جا رہا ہے حالانکہ فرمانِ رسول کا منشاء و مراد کچھ اور ہوتا ہے لہٰذا احادیثِ مبارکہ کو اپنے سیاق و سباق اور پس منظر سے کاٹ کر بیان کرنا اور اس سے اُمتِ مسلمہ کو گمراہ، بدعتی اور مشرک قرار دینا نہ صرف علمی خیانت ہے بلکہ تعلیماتِ اسلام کے ساتھ بہت بڑا مذاق بھی ہے۔ اس حدیث کو اگر اس کے سیاق و سباق کے ساتھ دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ اس میں حضور ﷺ دورِ اِفتراق و اِنتشار میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے مخالفین سے دور رہنے اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ جُڑے رہنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔

۞ ۞ ۞

...... ٦۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ٦۲۴

۷۔ دارمی، السنن، ۱: ۵۷، رقم: ۹۵

۸۔ بیہقی، شعب الایمان، ٦: ٦۷، رقم: ۷۵۱٦

۹۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۷۴، رقم: ۳۲۹

فصل سوم

اِحداث فی الدّین سے مراد ارتداد کے فتنے ہیں

❁ ایک غلط فہمی کا اِزالہ

احادیثِ مبارکہ سے تائید

وضاحت

❁ اِحداث فی الدین سے مراد تغیّر فی الدین ہے

ایک غلط فہمی کا اِزالہ

اَحادیثِ مبارکہ سے اِس اَمر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ’’**محدثات الأُمور**‘‘ سے مراد اِرتداد کی سطح کے فتنے ہیں، جن کا اِرتکاب کرنے والے وہ لوگ تھے جو حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں دائرہ اِسلام میں داخل ہوگئے تھے(۱) اور بعد میں مرتدین، منکرینِ زکوٰۃ، جھوٹے مدعیانِ نبوت اور خوارج کے حامی ہوگئے۔

یہاں کوئی یہ سوال کرسکتا ہے کہ اگر اِحداث و بدعت کو اس خاص معنی میں محصور کر دیا جائے اور اس سے یہی مراد لیا جائے جو ہم نے اُوپر بیان کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اب قیامت تک نہ کوئی بدعت ہوگی اور نہ کوئی بدعتی۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ صورتیں ہمیشہ دو ہوتی ہیں، ایک خصوصی اور دوسری عمومی۔

اگر بدعت سے ہم خصوصی طور پر ضلالت و گمراہی مراد لیں تو اس سے مراد

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، ۵: ۲۴۰۷، كتاب الرقاق، باب في الحوض، رقم: ۶۲۱۳

۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب التفسير، باب وكنت عليهم شهيدا، ۴: ۱۶۹۱، رقم: ۴۳۴۹

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجنة، باب فناء الدنيا، ۴: ۲۱۹۴، رقم: ۲۸۶۰

۴۔ ترمذی، السنن، كتاب التفسير، باب من سورة الأنبياء، ۵: ۳۲۱، رقم: ۳۱۶۷

۵۔ نسائی، السنن، كتاب الجنائز، باب أول من يكسى، ۴: ۱۱۷، رقم: ۲۰۸۷

۶۔ نسائی، السنن الكبریٰ، ۶: ۴۳۹، رقم: ۱۱۱۶۰

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

اِرتداد کا باعث بننے والے اِختلافات اور فتنے ہوں گے، جیسے فتنۂ قادیانیت، فتنہء بہائیت وغیرہ۔ یعنی اگر کوئی نئی نبوت کا اعلان کر دے، نئی کتاب یا نیا دین گھڑ دے، نیا کعبہ بنا دے، اَرکانِ دین کو پانچ کی بجائے سات کر دے، نمازیں پانچ کی بجائے چھ یا تین کر دے، اَساسِ دین میں کمی یا زیادتی کر دے، الغرض دین میں ایسی کمی یا اضافہ جو اِرتداد کا باعث ہو، چاہے وہ کسی وقت اور کسی بھی زمانے میں ہو، وہ بدعت وضلالت اور گمراہی ہو گا اور حدیث ''کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار''[1] سے بھی یہی بدعتِ خاص مراد ہے لہٰذا اس حدیث نے بدعت کے معنی ومفہوم کو متعین کر دیا ہے کہ اب قیامت تک بھی اگر کسی دور میں اِس سطح اور اس نوعیت کے عقائد اور اَعمال وضع کر کے دین کی طرف منسوب کئے جائیں تو وہ بدعت ہوں گے اور اس کے ماننے والوں کا گروہ اہلِ بدعت کا گروہ ہو گا۔ ان کے لیے وہی حکم ہو گا جو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں اہلِ بدعت کے لیے تھا[2]

محدّثین اور فقہاء نے عمومی طور پر جو بدعت یا اِحداث کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس سے مراد کبھی بدعتِ لغوی اور کبھی بدعتِ حسنہ ہوتی ہے۔ اب رہ گئی بدعتِ سیئۃ، تو یہی بدعتِ ضلالۃ ہے جو باعثِ ارتداد ہوتی ہے۔

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب صلوٰة العیدین، باب کیف الخطبة ۳:۱۸۹، رقم:۱۵۷۸

۲۔ نسائی، السنن، ۵:۵۵۰، رقم:۱۷۸۶

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۹:۹۷، رقم: ۸۵۲۱

۴۔ لالکائی، إعتقاد اہل السنة، ۱:۷۷، رقم:۸۵

۵۔ السنة، مروزی، ۱:۲۹، رقم:۷۹

۶۔ بیہقی، الإعتقاد، :۲۲۹

۷۔ ابو نعیم أصبہانی، المسند المستخرج علی صحیح الإمام مسلم، ۲:۴۵۵، رقم:۱۹۵۳

(۲) عن حذیفة قال قال رسول الله ﷺ لا یقبل الله لصاحب بدعة صومًا و لا صلٰوةً و لا صدقةً و لا حجًا و لا عمرةً و لا جهادًا و لا صرفًا و لا عدلًا ←

اَحادیثِ مبارکہ سے تائید

۱۔ بدعات کی نوعیت اور ان کے زمانہ کا تعین متعدد اَحادیثِ مبارکہ میں فرما دیا گیا ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ ذیل میں نفسِ مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر سے ایک بہت اہم حدیث پیش کرتے ہیں جسے اِمام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کے علاوہ امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) نے کتاب الجنۃ میں، امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) نے کتاب التفسیر میں اور امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) نے کتاب الجنائز میں بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ اکثر و بیشتر محدّثین نے اس حدیث کو اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ (۶۸ھ) سے روایت ہے کہ ایک روز حضور نبی اکرم ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

یا أیھا النّاس انّکم محشورون إلی اللہ حفاۃ عراۃ غرلا ثم قال ’’كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ‘‘[۱] الی آخر الایۃ ثم قال ألا وان أول الخلائق یکسی یوم القیامۃ ابراھیم علیہ السلام ألا وانہ یجآء برجال من اُمتی فیوخذ بھم ذات الشّمال فأقول یا رب أصیحابی فیقال انّک لا تدری ما أحدثوا بعدک فأقول کما قال العبد ال صالح ’’وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ‘‘[۲] فیقال ان ھولاء لم یزالوا مرتدین علی

...... یخرج من الاسلام کما تخرج الشّعرۃ من العجین (ابن ماجہ، السنن، باب اِجتناب البدع والجدل، ۱: ۱۹، رقم: ۴۹)

اہلِ بدعت سے متعلق مزید تفصیلات کے لئے باب: ۶ ’’قرونِ اُولیٰ اور تصورِ بدعت‘‘ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) الأنبیاء، ۲۱: ۱۰۴

(۲) المائدہ، ۵: ۱۱۷

أعقابهم منذ فارقتهم۔(۱)

''اے لوگو! تم اللہ کے پاس ننگے پیر، ننگے بدن اور بغیر ختنے کے جمع کئے جاؤ گے۔ پھر آیتِ مبارک تلاوت فرمائی'' جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلی بار پیدا کیا تھا ہم (اس کے ختم ہو جانے بعد) اسی عملِ تخلیق کو دہرائیں گے یہ وعدہ پورا کرنا ہم نے لازم کر لیا ہے ہم (یہ اعادہ) ضرور کرنے والے ہیں'' (پھر فرمایا:) سنو! مخلوق میں سب سے پہلے ابراہیم (علیہ السلام) کو لباس پہنایا جائے گا، سنو! بے شک میری اُمت میں سے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا، ان کو بائیں جانب سے پکڑ لیا جائے گا۔ میں کہوں گا اے میرے رب! یہ میرے لوگ ہیں۔ کہا جائے گا کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا فتنے نکالے تھے؟۔ پس میں وہی کہوں گا جو اللہ کے ایک عبد صالح (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا'' اور میں ان (کے عقائد و اعمال) پر (اس وقت تک) خبردار رہا جب تک میں ان لوگوں میں موجود رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان (کے حالات) پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے، اگر تو انہیں عذاب

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۶۹۱، کتاب التفسیر، باب وكنت عليهم شهيدا، رقم: ۴۳۴۹

۲۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۹۱، کتاب الرقاق، باب كيف الحشر، رقم: ۶۱۶۱

۳۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۲۱۹۴، کتاب الجنة، باب فناء الدنیا، رقم: ۲۸۶۰

۴۔ ترمذی، السنن، ۵: ۳۲۱، کتاب التفسیر، باب من سورة الأنبياء، رقم: ۳۱۶۷

۵۔ نسائی، السنن، ۴: ۱۱۷، کتاب الجنائز، باب أول من يكسى، رقم: ۲۰۸۷

۶۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۳۳۹، رقم: ۱۱۱۶۰

۷۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷: ۸۷، رقم: ۳۴۳۹۷

دے تو وہ تیرے (ہی) بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تُو ہی بڑا غالب حکمت والا ہے" پھر مجھ سے کہا جائے گا جیسے ہی آپ ان سے جدا ہوئے یہ اُسی وقت مرتد ہو گئے تھے۔"

وضاحت

اِس حدیثِ مبارکہ میں حضور ﷺ نے در اَصل اِحداث، محدثہ اور بدعت کا معنی متعین فرما دیا ہے۔ وہ اس طرح کہ اِس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اِنہیں دوزخ کی طرف لے جایا جا رہا ہو گا میں دیکھ کر کہوں گا کہ اے فرشتو ٹھہرو! یہ تو میرے لوگ ہیں۔ آپ ﷺ سے عرض کیا جائے گا، إِنَّک لا تدری ما أحدثوا بعدک کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا نئے فتنے کھڑے کئے تھے؟ اس حقیقت کو مزید واضح کرنے کے لئے پچھلے صفحات میں ذکر کی گئی تینوں روایات "من أحدث فی أمرنا هذا[1] اور "إِنَّک لا تدری ما أحدثوا بعدک[2] اور "فانه

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، ۲: ۹۵۹، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، رقم: ۲۵۵۰
۲۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۶
۳۔ ابو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸
۴۔ ابو يعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴
۵۔ بيهقی، الاعتقاد، ۱: ۲۲۹
۶۔ ديلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳:۵۷۹، رقم: ۵۸۱۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، ۴: ۱۶۹۱، کتاب التفسير، باب وکنت عليهم شهيدا، رقم: ۴۳۴۹
۲۔ بخاری، الصحيح، ۵: ۲۳۹۱، کتاب الرقاق، باب کيف الحشر، رقم: ۶۱۶۱
۳۔ مسلم، الصحيح، ۴: ۲۱۹۴، کتاب الجنة، باب فناء الدنيا، رقم: ۲۸۶۰

من يعش بعدی فسيری اختلافاً كثيراً[(۱)] پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جائے گا کہ اِحداث سے مراد اِرتداد کی سطح کے فتنے ہیں جو حضور ﷺ کے وصال کے فوری بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں رونما ہوئے۔ کیونکہ بعض قبائل اور لوگ کثرت سے فتوحات دیکھ کر داخلِ اسلام ہو گئے تھے لیکن ابھی ایمان پورے طور پر ان کے دلوں میں نہیں اُترا تھا۔ دنیاوی مال و دولت کی محبت غالب تھی۔ جونہی آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا وصال ہوا تو ان میں سے کچھ لوگ مرتد ہو گئے، کسی نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور کسی نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اِن کے تمام احوال و واقعات کو دیکھ کر فرشتے عرض کریں گے کہ یا رسول اللہ ﷺ: إنک لا تدری ما أحدثوا بعدک حضور ﷺ نے فرمایا میں اس وقت وہی بات کہوں گا جو اللہ کے بندے عیسیٰ علیہ السلام نے کہی تھی! وَكُنتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيدًا مَّا دُمۡتُ فِيهِمۡ فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِي كُنتَ أَنتَ ٱلرَّقِيبَ عَلَيۡهِمۡ ’’اور میں ان (کے عقائد و اَعمال) پر (اس وقت تک) خبردار رہا جب تک میں ان لوگوں میں موجود رہا پھر جب تو نے مجھے اُٹھا لیا تو تو ہی اِن (کے حالات) پر نگہبان تھا۔‘‘

اِس حدیثِ پاک کے آخری حصہ میں ہمارے مؤقف کی تائید میں کہ ’’أحدثوا‘‘ سے مراد اِرتداد ہے، اس پر صراحتاً دلیل آرہی ہے کہ: إنّ هؤلاء لم يزالوا مرتدّين علی أعقابهم منذ فارقتهم‘‘ (جونہی آپ ﷺ ان سے جدا ہوئے یہ اپنی ایڑھیوں کے بل دین سے پھر گئے)۔ پس اِن محدِثین کو حضور ﷺ نے صراحتاً مرتدین کہا ہے لہٰذا یہ چاروں طبقات (۱۔ مدعیانِ نبوت، ۲۔ منکرینِ زکوٰۃ، ۳۔ مرتدین، ۴۔ خوارج) صحیحین کی

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

روایات کے مطابق محدثات کے مرتکب تھے اور حدیث نے ''اِحداث'' کے معنی کو ''اِرتداد'' کے ساتھ مختص کر دیا ہے۔ یعنی ''ما أحدثوا بعدک'' کی وضاحت ''مرتدین علی أعقابهم'' نے کر دی ہے یعنی حدیثِ پاک نے اِحداث کے مرتکبین کو صراحتاً مرتدین کہا ہے۔

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ دین میں ایسا فتنہ پیدا کرنا جو باعثِ ارتداد ہو، بدعت و ضلالت ہے لہٰذا بدعت سے مراد دین میں فقط ایسے فتنوں کا اِیجاد کرنا ہے جو باعثِ اِرتداد ہوں اور اسی بدعت کی مختلف شکلیں وہ ہیں جو حضور ﷺ کے زمانہ کے فوری بعد پیدا ہوئیں اور انہی کی مثل دیگر فِتن بعد کے اَدوار میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں جیسے فتنۂ باطنیت، فتنۂ قادیانیت اور فتنۂ بہائیت وغیرہ۔ اس مؤقف کی تائید میں ذیل میں چند مزید اَحادیث دی گئی ہیں تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اِحداث فی الدین سے مراد اِرتداد ہی ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

یرد علي یوم القیامة رهط من أَصحابي فَیُحَلَّؤُوْنَ عن الحوض فأقول: یارب! أصحابي فیقول: إنّک لا علم لک بما أحدثوا بعدک إنّهم ارتدّوا علی أدبارِهم القَهْقَرٰي۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، ۵: ۲۴۰۷، کتاب الرقاق، باب في الحوض، رقم: ۶۲۱۳

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب وکنت علیهم شهیدا، ۴: ۱۶۹۱، رقم: ۴۳۴۹

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنة، باب فناء الدنیا، ۴: ۲۱۹۴، رقم: ۲۸۶۰

۴۔ ترمذی، السنن، کتاب التفسیر، باب من سورة الأنبیاء، ۵: ۳۲۱، رقم: ۳۱۶۷

۵۔ نسائی، السنن، کتاب الجنائز، باب أول من یکسی، ۴: ۱۱۷، رقم: ۲۰۸۷

۶۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۳۳۹، رقم: ۱۱۱۶۰

۷۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۷: ۸۷، رقم: ۳۴۳۹۷

۸۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۳۹، رقم: ۴۱۸۰

”میرے لوگوں کا ایک گروہ قیامت کے روز میرے پاس آئے گا تو انہیں حوضِ کوثر سے دور کردیا جائے گا۔ میں کہوں گا: اے میرے ربّ! یہ تو میرے لوگ ہیں! تو اللہ ﷻ فرمائے گا: (کیا) آپ کو علم نہیں ہے جو انہوں نے آپ کے بعد بدعات (یعنی نئے فتنے) ایجاد کیں، یہ اپنے اُلٹے پاؤں پھر کر مرتد ہو گئے تھے۔“

۳۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان یہ فرماتے ہوئے سنا:

إني على الحوض أنتظر من يرد عليّ منكم فوالله ليقتطعن دوني رجال فلأقولن أي ربّ منّي ومن أُمّتي؟ فيقول: إنّک لا تدري ما عملوا بعدک ما زالوا يرجعون على أعقابهم۔(۱)

”بے شک میں حوض پر تم لوگوں میں سے اپنے پاس آنے والوں کا منتظر ہوں گا، پس اللہ کی قسم! چند لوگوں کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا تو میں ضرور کہوں گا: اے میرے رب! یہ مجھ سے ہیں اور میرے اُمتی ہیں؟ تو وہ فرمائے گا: (کیا) آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا۔ وہ دین سے اُلٹے پاؤں پھرے رہے۔“

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبینا ﷺ وصفاته، ۴: ۱۷۹۴، رقم: ۲۲۹۴

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۲۱

۳۔ ابو یعلی، المسند، ۷: ۴۳۳، رقم: ۴۴۵۵

۴۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۲: ۳۵۸، رقم: ۷۷۰

۵۔ منذری، الترغیب والترهیب، ۴: ۲۲۹، رقم: ۵۴۸۴

وضاحت

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح مسلم کی مذکورہ روایت میں إنّک لا تدري ما عملوا بعدک[1] کے الفاظ ہیں۔ فرشتوں کا اس طرح اِن الفاظ سے آپ ﷺ سے اِستفسار کرنا محض اِستفہامِ اِنکاری تھا جو آپ کے عدمِ علم پر نہیں بلکہ اِثباتِ علم پر دال ہے۔ صحیح مسلم میں ہی هل تدري ما أحدثوا بعدک[2] اور أما شعرت ما عملوا بعدک[3] اور صحیح بخاری میں هل شعرت ما عملوا

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبینا ﷺ وصفاته، ۴: ۱۷۹۴، رقم: ۲۲۹۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۲۱۷، کتاب الطهارة، باب إستحباب إطالة الغرة والتحجیل في الوضوء، رقم: ۲۴۷

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، ۵: ۲۴۰۴، رقم: ۶۲۰۵

۳۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب وکنت علیهم شهیدا، ۴: ۱۶۹۱، رقم: ۴۳۴۹

۴۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنة، باب فناء الدنیا، ۴: ۲۱۹۴، رقم: ۲۸۶۰

۵۔ ترمذی، السنن، کتاب التفسیر، باب من سورة الأنبیاء، ۵: ۳۲۱، رقم: ۳۱۶۷

(۳) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۷۹۴، کتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبینا ﷺ وصفاته، رقم: ۲۲۹۳

۲۔ بخاري، الصحیح، ۵: ۲۴۰۹، کتاب الرقاق، باب في الحوض، رقم: ۶۲۲۰

۳۔ بزار، المسند، ۶: ۴۳۲، رقم: ۲۴۶۲

۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۴: ۹۴، رقم: ۲۵۱

←

بعدک[1] کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ اِن اَحادیث میں لفظِ ھل اِستفہامیہ اور سوالیہ معنٰی دینے کی بجائے تاکید، واقعہ کے اِثبات اور خبر کے معنٰی میں بیان ہوا ہے۔ اِس طرح حدیث ’’ھل تدري ما أحدثوا بعدک‘‘ کا معنی یہ ہوگا (اے اللہ کے رسول ﷺ) یقیناً آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئے فتنے گھڑ لیے تھے۔ اس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو دنیا و آخرت کے تمام احوال و واقعات سے مطلع فرمایا تھا۔

مذکورہ تمام روایات میں أحدثوا کی وضاحت إرتدوا سے کی گئی ہے یعنی حدیثِ پاک میں اِحداث کے مرتکبین کو واضح طور پر مرتدین قرار دیا گیا ہے۔ اس سے یہ اَمر واضح ہوتا ہے کہ بدعت کا اِطلاق صرف اِرتداد کی سطح کے اُمور پر ہوگا نہ کہ دین کے چھوٹے چھوٹے اُمورِ حسنات و صالحات پر۔

اِحداث فی الدین سے مراد تغیّر فی الدین ہے

متعدد اَحادیثِ مبارکہ میں یہ صراحت ملتی ہے کہ فقط اُن اُمور کو محدثہ یا بدعت

------ ۵۔ سدوسی، مسند عمربن الخطاب، ۱: ۹۲

۶۔ ابن عبدالبر، التمهيد، ۲: ۳۰۸، رقم: ۱۳۰۹

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، ۵: ۲۴۰۹، کتاب الرقاق، باب في الحوض، رقم: ۶۲۲۰

۲۔ مسلم، الصحيح، ۴: ۱۷۹۴، کتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته، رقم: ۲۲۹۳

۳۔ بزار، المسند، ۲: ۴۳۲، رقم: ۲۴۶۲

۴۔ طبرانی، المعجم الکبير، ۲۴: ۹۴، رقم: ۲۵۱

۵۔ سدوسی، مسند عمربن الخطاب، ۱: ۹۲

۶۔ ابن عبدالبر، التمهيد، ۲: ۳۰۸، رقم: ۱۳۰۹

کہیں گے جن سے اُصولِ دین میں کمی یا بیشی ہو یا دین میں تغیر واقع ہو رہا ہو۔ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

إني فرطكم على الحوض، من مرّ عليّ شرب، ومن شرب لم يظمأ أبدًا، ليردنّ عليّ أقوام أعرفهم ويعرفونني، ثم يحال بيني وبينهم. قال أبوحازم: فسمعني النعمان بن أبي عياش فقال: هكذا سمعت من سهل؟ فقلت: نعم، فقال: أشهد على أبي سعيد الخدری، لسمعته وهو يزيد فيها: "فأقول: إنهم منّي فيقال إنک لا تدري ما أحدثوا بعدک فأقول: سُحقًا سُحقًا لمن غيّر بعدي."(۱)

''بے شک میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا، جو بھی میرے پاس آئے گا وہ اس میں سے پیئے گا اور جو شخص بھی پیئے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ میرے پاس بعض لوگ گروہ کی شکل میں آئیں گے، میں انہیں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے۔ پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ ڈال دیا جائے گا۔ ابوحازم کہتے ہیں: مجھ سے نعمان بن ابوعیاش نے سنا تو کہا: کیا آپ نے اسی طرح سہل سے سنا ہے؟ تو میں نے کہا کہ ہاں، اس نے کہا: میں ابو سعید خدریؓ کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان کو یہی کہتے ہوئے سنا، وہ اس میں اضافہ فرماتے کہ

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۴۰۶، **کتاب الرقاق، باب فی الحوض**، رقم: ۶۲۱۲

۲۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۱۷۹۳، کتاب الفضائل، باب اثبات الحوض، رقم: ۲۲۹۰

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۳۳، رقم: ۲۲۸۷۳

۴۔ رویانی، المسند، ۲: ۲۱۲، رقم: ۱۰۵۳

۵۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، ۱: ۱۶۳

آپ ﷺ نے فرمایا: پس میں کہوں گا: بے شک وہ مجھ سے ہیں تو کہا جائے گا: (کیا) آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا بدعتیں (نئی چیزیں) نکالی تھیں؟ پس میں کہوں گا: (ان سے) دوری ہو، دوری ہو جنہوں نے میرے بعد دین میں تغیّر کیا۔‘‘

صحیح بخاری میں ہی دوسرے مقام پر ’’سُحقاً سُحقاً لمن بدّل بعدی[1] کے الفاظ ہیں یعنی ان سے دوری ہو جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل دیا۔

اِن دونوں احادیث میں ’’غیّر بعدی‘‘ اور ’’بدّل بعدی ‘‘ کے اَلفاظ واضح کر رہے ہیں کہ حضور ﷺ کے نزدیک إحداث فی الدّین سے مراد تغیّر فی الدین ہے۔ اور من أحدث فی أمرنا ھذا[2] یا کلّ محدثه

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۴۰۶، کتاب الفتن، باب فی قول اللہ تعالی واتقوا فتنة رقم:۶۶۴۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب اِثبات حوض نبینا، ۴:۱۷۹۳، رقم:۲۲۹۰

۳۔ احمد، المسند، ۳:۲۸

۴۔الرویانی، المسند، ۲:۱۹۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۵۹، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، رقم:۲۵۵۰

۲۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۶

۳۔ابو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸

۴۔ابو یعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴

۵۔ابن جارود، المنتقی، ۱: ۲۵۱، رقم: ۱۰۰۲

۶۔ بیہقی، الاعتقاد، ۱: ۲۲۹

بدعة(۱) سے مراد دین میں ایسا تغیر یا تبدّل ہوگا جس سے دین کے اُصول یا اَساس بدل جائے۔ ضروریاتِ دین میں کمی یا اِضافہ ہوجائے اور دین کی ہیئت بدل جائے۔

❁ ❁ ❁

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

فصل چہارم:

فتنہء اِحداث و بدعات کا تعلق دورِ خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہ سے ہے

- امام بخاری رحمہ اللہ کا مؤقف
- حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت سے اِستدلال
- امام ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور امام ابنِ عبد البر رحمہ اللہ کا مؤقف

صحیح مسلم میں کتاب الجنة، باب فناء الدنیا کے تحت **امام مسلم**ؒ (۲۶۱ھ) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ (۶۸ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نصیحت کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّكُمْ تُحْشَرُوْنَ اِلَى اللهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً. ﴿كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيْدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ﴾.[1] اَلاَ وَاِنَّ اَوَّلَ الْخَلاَئِقِ يُكْسٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِبْرٰهِيْمُ (عليه السلام)، اَلاَ وَاِنَّهُ سَيُجَآءُ بِرِجَالٍ مِّنْ اُمَّتِيْ فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ. فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ أَصُحَابِيْ فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ، كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَادُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾[2] قَالَ فَيُقَالُ لِيْ: اِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ وَفِيْ حَدِيْثِ وَكِيْعٍ وَّمُعَاذٍ فَيُقَالُ اِنَّكَ لاَتَدْرِيْ مَآ اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ. (۳)

---

(۱) الأنبیاء، ۲۱: ۱۰۴

(۲) المائدہ، ۵: ۱۱۷

(۳) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنة، باب فناء الدنیا، ۴: ۲۱۹۴، رقم: ۲۸۶۰
۲۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۶۹۱، کتاب التفسیر، باب وکنت علیھم شھیدا، رقم: ۴۳۴۹
۳۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۹۱، کتاب الرقاق، **باب کیف الحشر**، رقم: ۶۱۶۱

←

''اے لوگو! تم اللہ کے پاس ننگے پیر، ننگے بدن اور بغیر ختنے کے جمع کیے جاؤ گے (اِرشادِ باری تعالی ہے) '' جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلی بار پیدا کیا تھا ہم اسی عملِ تخلیق کو دہرائیں گے، یہ وعدہ پورا کرنا ہم نے لازم کر لیا ہے ہم (یہ اعادہ) ضرور کرنے والے ہیں'' سنو! مخلوق میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ سنو! بے شک میری اُمت میں سے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا ان کی بائیں جانب والوں کو پکڑ لیا جائے گا، میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے لوگ ہیں۔ کہا جائے گا، کیا آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا بدعتیں نکالی تھیں ؟ میں عبدِ صالح (حضرت عیسٰی علیہ السلام) کی طرح کہوں گا '' اور میں ان (کے عقائد و اعمال) پر (اس وقت تک) خبردار رہا جب تک میں ان لوگوں میں موجود رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان (کے حالات) پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر مجھ سے کہا جائے گا۔ جب سے آپ ان سے جدا ہوئے یہ اپنی ایڑیوں کے بل دین سے پھرے رہے، اور وکیع کی اور معاذ کی روایت میں ہے کہ آپ سے کہا جائے گا، کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئے فتنے نکالے تھے؟''

مذکورہ مضمون کی جتنی بھی اَحادیث ہیں ان میں اَلاَ وَاِنَّهُ سيُجَآءُ بِرِجَالٍ مِّنْ اُمَّتِیْ فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ. فَاَقُوْلُ يَارَبِّ اَصْحَابِیْ کے الفاظ ہر حدیث میں

------ ۴۔ ترمذی، السنن، ۵: ۳۲۱، کتاب التفسير، **باب من سورة الأنبياء**، رقم: ۳۱٦۷

۵۔ نسائی، السنن، ۴: ۱۱۷، کتاب الجنائز، **باب أول من يكسى**، رقم: ۲۰۸۷

٦۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ٦: ۳۳۹، رقم: ۱۱۱٦۰

۷۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷: ۸۷، رقم: ۳۴۳۹۷

ہیں۔ اس سے یہ بات طے ہوگئی کہ جن اِحداث و بدعات کا ذکر حضور ﷺ فرما رہے ہیں اس کا تعلق صرف اور صرف زمانہء خلفاء راشدین کے ساتھ ہے۔ باقی اُمت کے اَعمالِ صالحہ اور نیک اُمور کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اِن نئے حسنات و صالحات کی حیثیت کے بارے میں اِختلاف ہوسکتا ہے کہ یہ مستحب ہیں یا غیر مستحب، مباح ہیں یا مکروہ، افضل ہیں یا غیر افضل، علمی اختلاف جو چاہے کریں مگر انہیں بدعت، محدثہ، یا ضلالۃ کہنا بذاتِ خود بدعت، محدثہ اور ضلالۃ ہے۔ حضور ﷺ نے انہیں بدعت نہیں فرمایا بلکہ اُن اُمور کو اِحداث و بدعت کہا ہے جو آپ ﷺ کے وصال کے فوری بعد خلفاءِ راشدین کے زمانے میں اِرتداد کی صورت میں رونما ہوئے۔ ان اِحداث و بدعات کا آغاز ان لوگوں کی طرف سے ہوا جو پہلے آپ کے ساتھ تھے، مگر آپ ﷺ کے وصال کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ساتھ اِختلافِ کثیر اور اِحداث و بدعات کا شکار ہونے کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ہے کہ جب انہیں دوزخ کی طرف دھکیلا جا رہا ہوگا تو حضور ﷺ اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے! **یَارَبِّ اَصۡحَابِی** کہ یا اللہ! یہ تو میرے لوگ ہیں، جواب ملے گا کہ **اِنَّکَ لَا تَدۡرِیۡ مَا اَحۡدَثُوۡا بَعۡدَکَ** یعنی اے محبوب ﷺ کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا اِحداث کیا تھا؟ اسی حدیث کے آخر میں مزید فرمایا گیا: **اِنَّھُمۡ لَمۡ یَزَالُوۡا مُرۡتَدِّیۡنَ عَلٰی اَعۡقَابِھِمۡ مُنۡذُ فَارَقۡتَھُمۡ** کہ جب سے آپ ان سے جدا ہوئے یہ اپنی ایڑھیوں کے بل دین سے پھر گئے۔

حضور ﷺ نے متعدد اَحادیث کے ذریعے یہ بات واضح فرما دی کہ اِحداث وبدعات کا آغاز آپ ﷺ کے وصال کے فوراً بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے سے ہوا۔ **امام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) نے صحیح بخاری، کتاب الدنیا میں اس مسئلے کو مزید واضح کر دیا ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ (۶۸ھ) سے مروی اِس حدیث میں ہے ’’ثم یؤخذ برجال من أصحابی ذات الیمین و ذات الشّمال فأقول: أصحابی فیقال: انّھم

لم یزالوا مرتدین علی أعقابهم منذ فارقتهم‘‘ (۱) قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر پچاس کتب اَحادیث میں یہ حدیث دیکھی جائے تو سب میں دو باتیں مشترک ہوں گی، پہلا لفظِ أصحابی اور دوسرا احدثوا بعدک یا مرتدین علی أعقابهم۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان احداث و بدعات کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو پہلے آپ کے ساتھ تھے، مگر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں اِحداث و بدعات اور اِرتداد (۲) میں مبتلا ہونے کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔

اِمام بخاریؒ کا مؤقف

اس موقف کی تائید صحیح بخاری میں ہی امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کے شاگرد **محمد بن یوسف الفربریؒ** کی اس روایت سے ہوتی ہے:

قال محمد بن یوسف الفربری ذکر عن أبی عبدالله عن قبیصة قال: هم المرتدون الّذین ارتدّوا علی عهد أبی بکر فقاتلهم

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الدنیا، باب واذکر فی الکتاب مریم ۳:۱۲۷۱، رقم:۳۲۶۳

۲۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۲۱۹۴، کتاب الجنة، باب فناء الدنیا، رقم: ۲۸۶۰

۳۔ ترمذی، السنن، ۵: ۳۲۱، کتاب التفسیر، باب من سورة الأنبیاء، رقم:۳۱۶۷

۴۔ نسائی، السنن، ۴: ۱۱۷، کتاب الجنائز، باب أول من یکسی، رقم:۲۰۸۷

۵۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۳۳۹، رقم: ۱۱۱۶۰

۶۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۷:۸۷، رقم: ۳۴۳۹۷

(۲) ۱۔ نسائی، السنن، کتاب الجهاد، ۶:۲، رقم:۳۰۹۳

۲۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۴:۷، رقم:۲۲۴۷

۳۔ حاکم، المستدرك علی الصحیحین، ۱:۵۴۴، رقم:۱۴۲۷

أبو بكر۔(۱)

”**محمد بن یوسف فربریؒ** کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ (امام بخاریؒ) سے ذکر کیا گیا، وہ قبیصۃ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: یہ وہ مرتدین ہیں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دین سے پھر گئے تھے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا۔“

یہ اَمر بالکل واضح ہوگیا کہ مُحْدِث سے مراد وہی مرتدین ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اِحداث کیا تھا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف اِعلانِ جنگ کیا تھا۔ اسی زمانہ قریب کے اِختلافِ کثیر کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

فانه من يعش منكم بعدی فسيری اختلافا كثيرا فعليكم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، و اياكم و محدثات الأمور فان كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة ۔(۲)

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الدنیا، باب قول اللہ تعالیٰ و اذکر فی الکتاب مریم، ۳:۱۲۷۱، رقم: ۳۲۶۳

(۲) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنۃ، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجہ، السنن، مقدمہ، باب اتباع السنۃ الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

۷۔ دارمی، السنن، ۱: ۵۷، رقم: ۹۵

۸۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۷۴، رقم: ۳۲۹

”جو تم میں سے میرے بعد زندہ رہا تو وہ عنقریب بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ پس تم پر میری سنت اور میرے ھدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر قائم رہنا لازم ہے، اس کو تھامے رہنا اور اسے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ دین میں جو فتنے داخل کئے جائیں ان سے بچتے رہنا کیونکہ ہر فتنہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

حضرت اُبو درداءؓ کی روایت سے اِستدلال

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی درج ذیل روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اِحداث و بدعات کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور سے ہے نہ کہ بعد میں آنے والے اَدوار سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

أنا فرطكم على الحوض فلألفين ما نوزعت في أحدكم فأقول: هذا منّي فيقال: إنّك لا تدري ما أحدث أحدثوا بعدك فقلت: يارسول الله! اُدع الله أن لا يجعلني منهم قال: لست منهم. فمات قبل عثمان بسنتين۔(۱)

”میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔ مجھے وہاں تم میں سے کسی ایک کو میرے قریب آنے سے روک دیا جائے گا تو میں کہوں گا: یہ مجھ سے ہے، تو مجھ سے کہا جائے گا: کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئے فتنے اِیجاد کیے تھے، (اُبو درداءؓ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا:

(۱) ۱۔ طبرانی، مسند الشامیین، ۲: ۳۱۱، رقم: ۱۴۰۵
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۱: ۱۵۲، رقم: ۴۷۹
۳۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۲: ۳۵۷، رقم: ۷۶۷
۴۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۵۰، رقم: ۱۲۹
۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۹: ۳۶۷، ۱۰: ۳۶۵
۶۔ ابن عبدالبر، التمہید، ۲: ۳۰۴، رقم: ۱۳۰۰

یارسول اللہ ﷺ! آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ میں ان میں سے نہ ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: آپ ان میں سے نہیں ہیں۔ تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دوسال قبل وفات پا گئے۔‘‘

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا یہ عرض کرنا کہ یا رسول اللہ ﷺ ’’اُدع اللہ أن لا یجعلني منهم‘‘ اور اس پر آپ ﷺ کا فرمانا ’’لستَ منهم‘‘ پھر اس پر امام طبرانیؒ کا یہ کہنا کہ ’’فمات قبل عثمان سنتين‘‘ اس سے مراد یہ ہے کہ جو فتنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف اُٹھا وہ فتنۂ بدعت اور فتنۂ اِرتداد تھا۔ اس سے واضح طور پر زمانے کا تعین ہو گیا کہ اِحداث و بدعت کا تعلق حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے سے ہے۔

اِس حدیثِ پاک میں حضرت اَبودرداءؓ سے حضور ﷺ کے اِرشاد ’’ لست منهم ‘‘ (آپ ان میں سے نہیں ہے۔) سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ آپ ﷺ کے فیض یافتگان اور قریبی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُن محدثات الاُمور کے مرتکب نہ تھے یعنی وہ اِرتداد کے فتنہ کی آگ بھڑکانے والوں سے علیحدہ تھے، اور وہ اُن فتنوں کے پھیلاؤ میں شامل نہیں تھے۔

امام ابنِ حجر عسقلانیؒ اور امام ابنِ عبد البرؒ کا مؤقف

ہمارے اسی مؤقف کو بحسن و خوبی واضح کرنے کے لیے مستدرک امام حاکم کی درج ذیل روایت نہایت مفید اور معاون ہوگی جس کے بعد اِس پر کسی قسم کے اِعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ **اِمام حاکمؒ** (۴۰۵ھ) اپنی مستدرک میں تابعین میں سے ایک تابعی حسین بن خارجہؓ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں:

لمّا کانت **الفتنة الأولی** أشکلت عليّ فقلتُ: اللّٰهم أرني أمراً من أمر الحق أتمسک به. قال: فأريت الدنيا والآخرة و بينهما

حائط غير طويل، و إذا أنا بجائز فقلت: لو تشبثت بهذا الجائز لعلي أهبط إلى قتلى أشجع ليخبروني قال: فهبطت بأرض ذات شجر وإذا أنا بنفرجلوس فقلت: أنتم الشهداء؟ قالوا: لا نحن الملائكة قلت: فأين الشهداء؟ قالوا: تقدم إلى الدرجات العلى إلى محمد ﷺ فتقدمت فإذا أنا بدرجة الله أعلم ما هي السعة والحسن؟ فإذا أنا بمحمد ﷺ و إبراهيم عليه السلام وهو يقول لإبراهيم عليه السلام: استغفر لأمّتي فقال له إبراهيم عليه السلام: إنک لا تدري ما أحدثوا بعدک أراقوا دماءهم وقتلوا إمامهم ألا فعلوا كما فعل خليلي سعد قلت: أراني قد أريت أذهب إلى سعد فأنظر مع من هو فأكون معه فأتيته فقصصت عليه الرؤيا فما أكثر بها فرحا وقال: قد شقي من لم يكن له إبراهيم عليه السلام خليلا قلت: في أي الطائفتين أنت؟ قال: لست مع واحد منهما قلت: فكيف تأمرني؟ قال: ألک ماشية؟ قلت: لا قال: فاشتر ماشية واعتزل فيها حتى تنجلي۔ (١)

’’جب **پہلا فتنہ** ظاہر ہوا تو مجھ پر مشتبہ ہوگیا (کہ اس میں حصہ لوں یا نہ لوں) پس میں نے کہا: اے اللہ! مجھے امرِ حق دکھا جسے میں تھام لوں، فرماتے ہیں: پس مجھے (خواب میں) دنیا اور آخرت دکھائی گئی اور ان دونوں کے درمیان ایک دیوار تھی جو کہ زیادہ لمبی نہ تھی اور میں نے اپنے آپ کو دیوار پر دیکھا تو میں نے کہا کہ اگر میں اس دیوار پر معلق رہا تو ہوسکتا ہے کہ میں اشجع کے مقتولوں پر اتروں تاکہ وہ مجھے خبر دیں، فرماتے ہیں: پس میں ایسی زمین پر اُترا جو کہ شجردار

(١) ١۔ حاکم، المستدرک، ٤: ٤٩٩، رقم: ٨٣٩٤

٢۔ ابن عبد البر، التمهيد، ١٩: ٢٢٢

٣۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ١: ١٢٠

یعنی سرسبز وشاداب تھی، تو میں نے ایک گروہ دیکھا جو کہ بیٹھا ہوا تھا، میں نے کہا: تم شہید ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں ہم فرشتے ہیں۔ میں نے کہا: شہید کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: بلند درجات کی طرف ہیں تم حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ تو میں نے محمد ﷺ اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور وہ ابراہیم علیہ السلام سے فرما رہے تھے: آپ میری اُمت کے لیے مغفرت طلب کیجئے، تو ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا: کیا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئے فتنے اِیجاد کیے؟ انہوں نے اپنوں کا خون بہایا اور اپنے اِمام کو قتل کیا ہے، وہ ایسا کیوں نہیں کرتے جیسا میرے دوست سعد نے کیا ہے؟ میں نے کہا: اس (اللہ) نے مجھے دکھایا ہے جو مجھے دکھایا گیا ہے کہ میں سعد کے پاس جاؤں پس اس کا معاملہ دیکھوں تو اس کے ساتھ ہو جاؤں، لہٰذا میں ان کے پاس آیا اور ان کو خواب کا واقعہ سنایا تو وہ اس سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا: وہ شخص بدنصیب ہے جس کے ابراہیم علیہ السلام خلیل نہ ہوں۔ میں نے کہا: آپ ان دو گروہوں میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ انہوں نے کہا: میں ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں ہوں۔ میں نے کہا: آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ انہوں نے کہا: کیا آپ کے پاس مویشی ہیں؟ میں نے کہا: نہیں، انہوں نے فرمایا: مویشی خرید کر علیحدہ ہو جاؤ یہاں تک کہ صورت حال واضح ہو جائے۔‘‘

اِمام ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) نے الإصابة فی تمییز الصحابة[1] میں اور ابن عبد البرؒ (۴۶۳ھ) نے التمهيد[2] میں روایت میں مذکور ’’الفتنة الأولی‘‘ سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر اُمتِ مسلمہ میں پیدا ہونے والا فتنہ لیا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے فتنہ کی آگ

(۱) ابن حجر عسقلانیؒ، الإصابة فی تمییز الصحابة، ۲: ۱۷۲، رقم: ۱۹۷۹

(۲) ابن عبد البر، التمهيد، ۱۹: ۲۲۲

بھڑکانے والے تھے۔ وہی دین میں بدعت کے مرتکب ہوئے اور یہی لوگ بدعتی کہلائے، یہی وہ فتنہ پرور، متعصب اور اِنتہا پسند لوگ تھے جنہوں نے جنگِ صفین کے بعد خوارجی گروہ کی بنیاد رکھی۔

فصل پنجم:

تاریخِ اسلام اور آغازِ بدعت

تاریخ اسلام کا سب سے پہلا بدعتی......ذوالخویصرہ التمیمی

تاریخِ اسلام کا پہلا بدعتی گروہ ......خوارج

- خوارج کے مختلف نام
- خوارج کے کفریہ عقائد
- خوارج کی پہچان اور علامات

تاریخِ اِسلام کی سب سے پہلی بدعت...... گستاخیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تاریخِ اسلام کا سب سے پہلا بدعتی ......ذوالخویصرہ التمیمی

بدعت کا آغاز حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں ہو گیا تھا۔ **علامہ ابن تیمیہ** (۷۲۸ھ) بیان کرتے ہیں:

والنبی ﷺ انما ذکر الخوارج الحروریة، لأنهم أول صنف من أهل البدع خرجوا بعده؛ بل أولهم خرج في حياته فذكرهم لقربهم من زمانه۔(۱)

’’حضور ﷺ نے خوارجِ حروریہ کا ذکر کیا کیونکہ یہ اہلِ بدعت کا وہ طبقہ تھا جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد سب سے پہلے خروج کیا، بلکہ ان کے پہلے طبقے نے آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی خروج کیا تھا لہٰذا آپ ﷺ نے اپنے زمانہ کے ساتھ ان کے قرب کی وجہ سے اِن کا ذکر کیا۔‘‘

علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک سب سے پہلا بدعتی **عبداللہ بن ذوالخویصرہ التمیمی** تھا(مجموع الفتاویٰ، ۱۹ : ۷۲) جس نے غزوہ حنین کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت آپ ﷺ پر اعتراض کیا تھا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ آپ ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ بنی تمیم کا ایک شخص ذوالخویصرہ نامی آیا اور آ کر کہنے لگا:

يَارَسُوْلَ اللهِ اعْدِلْ، فَقَالَ وَيْلَكَ، وَمَنْ يَعْدِلُ اِذَا لَمْ اَعْدِلْ، قَدْ خِبْتُ وَخَسِرْتُ اِنْ لَمْ اَكُنْ اَعْدِلُ. فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللهِ، ائْذَنْ

(۱) ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۲۸:۴۷۶

لِي فِيهِ فَاضْرِبَ عُنُقَهُ، فَقَالَ دَعْهُ، فَإِنَّ لَهُ اَصْحَابًا يَحْقِرُ اَحَدُكُمْ صَلٰوتَهُ مَعَ صَلٰوتِهِمْ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ، يَقْرَءُ وْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُوقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يُنْظَرُ اِلٰى نَصْلِهٖ فَلَا يُوْجَدُ فِيْهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ اِلٰى رِصَافِهٖ فَمَا يُوْجَدُ فِيْهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ اِلٰى نَضِيِّهٖ، وَهُوَ قَدْحُهٗ، فَلَا يُوْجَدُ فِيْهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ اِلٰى قُذَذِهٖ فَلَا يُوْجَدُ فِيْهِ شَيْءٌ، قَدْ سَبَقَ الْفَرْثَ وَالدَّمَ، اٰيَتُهُمْ رَجُلٌ اَسْوَدُ، اِحْدٰى عَضُدَيْهِ مِثْلُ ثَدْيِ الْمَرْأَةِ، اَوْمِثْلُ الْبَضْعَةِ تَدَرْدَرُ، وَيَخْرُجُوْنَ عَلٰى حِيْنِ فُرْقَةٍ مِّنَ النَّاسِ. قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ: فَأَشْهَدُ اَنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا الْحَدِيْثَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ قَاتَلَهُمْ وَاَنَا مَعَهٗ، فَاَمَرَ بِذَالِكَ الرَّجُلِ فَالْتُمِسَ فَأُتِيَ بِهٖ، حَتّٰى نَظَرْتُ اِلَيْهِ عَلٰى نَعْتِ النَّبِيِّ ﷺ الَّذِيْ نَعَتَهٗ۔(۱)

’’یا رسول اللہ! انصاف سے کام لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تیری خرابی ہو، اگر

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب المناقب، باب علامات النبوة فى الإسلام،۳:۱۳۲۱، رقم:۳۴۱۴

۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأدب، باب ماجاء في قول الرجل ويلك، ۵:۲۲۸۱، رقم: ۵۸۱۱

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج و صفاتهم، ۲:۷۴۴، رقم: ۱۰۶۴

۴۔ نسائی، السنن الكبرى، ۵:۱۵۹، رقم: ۸۵۶۰–۸۵۶۱/ ۶:۳۵۵، رقم: ۱۱۲۲۰

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۶۵، رقم: ۱۱۶۳۹

۶۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۸:۱۷۱

۷۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱۰:۱۴۶

۸۔ اِبن حبان، الصحيح، ۱۱:۱۴۸

میں انصاف نہ کروں تو اور کون انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو ناکام و نامراد رہ جاؤں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اجازت مرحمت فرمایئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ فرمایا، جانے دو، کیونکہ اس کے اور بھی ساتھی ہیں۔ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں حقیر جانو گے اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں۔ یہ قرآن بہت پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ یہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے شکار سے تیر نکل جاتا ہے۔ اگر ان کے پکڑنے کی جگہ کو دیکھا جائے تو کچھ نہیں ملے گا، پھر اِن کے پر کو دیکھا جائے تب بھی کچھ نہیں ملے گا اور ان دونوں کے درمیان والی جگہ کو دیکھا جائے تب بھی کچھ نہ ملے گا، حالانکہ وہ گندگی اور خون کے درمیان سے گزرا ہے۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک کالا آدمی ہوگا، جس کا بازو عورت کے پستان کی مانند یا گوشت کا لوتھڑا ہوگا۔ جب لوگوں میں اِختلافات پیدا ہوجائیں گے تو ان کا خروج ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ یہ حدیث خود میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے جنگ کی اور میں بھی لشکرِ اسلام کے ساتھ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ جب اسے لایا گیا تو اس کے اندر وہ تمام نشانیاں دیکھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی تھیں۔“

اس سے یہ ثابت ہوا کہ تاریخِ اسلام کی سب سے پہلی بدعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی تھی، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے گستاخانِ رسول کے فتنوں سے اُمت کو بچانے کے لئے تفصیل کے ساتھ ان کی علامات بیان فرما دیں تاکہ ان کے اَقوال و اَحوال سے انہیں بہ آسانی پہچانا جا سکے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کے سامنے صراحتاً فرما دیا کہ اِن فتنہ پردازوں کی

داڑھی، ان کے سر، ان کا چہرہ، ان کے کپڑے، الغرض سر سے پاؤں تک ان کا پورا سراپا دیکھ لو تاکہ میرے بعد ظاہر ہونے والے بدعتیوں اور گستاخوں کی آسانی سے شناخت ہو سکے۔ آج ہر کوئی آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ ان کی مماثلت اور مشابہت (similarity) کن لوگوں سے ہے۔ مختلف طبقات کے حلیوں، خیالات، مزاج، فتاویٰ اور تعصّب و تشدّد سے آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ عصرِ حاضر میں خوارج کے نمائندہ طبقات کون سے ہیں۔

تاریخِ اسلام کا پہلا بدعتی گروہ ......خوارج

تمام تابعین، تبع تابعین اور ائمہ و محدّثین کا اِس اَمر پر اتفاق ہے کہ بدعتیوں کا سب سے پہلا گروہ ''خوارج'' تھا اور خوارج کا معنوی اور نظریاتی بانی ''ذوالخویصرہ تمیمی'' تھا جس نے خوارج کے فکری و نظریاتی عقیدہ کی بنیاد رکھی۔ صحیح بخاری، کتاب استتابة المرتدين، باب قتل الخوارج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایسے لوگوں کی نشاندہی کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِي اٰخِرِ الزَّمَانِ، حُدَّاثُ الْاَسْنَانِ، سُفَهَآءُ الْاَحْلَامِ، يَقُوْلُوْنَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ، لَا يُجَاوِزُ اِيْمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، فَاَيْنَمَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ، فَاِنَّ فِيْ قَتْلِهِمْ اَجْرًا لِّمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔(۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب استتابة المرتدين، باب قتل الخوارج: ۶۵۳۱، رقم: ۶۵۳۱

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵:۳۶، ۴۴

۳۔ حاکم، المستدرک، ۲:۱۵۹، رقم: ۲۶۴۵

۴۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۲:۴۵۶، رقم: ۹۳۷

۵۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸:۱۸۷

۶۔ دیلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲:۳۲۲ رقم: ۳۴۶۰

۷۔ ہیثمي، مجمع الزوائد، ۶:۲۳۰

''عنقریب آخری زمانے میں ایک ایسی قوم نکلے گی جو عمر میں کم اور عقل کے اِعتبار سے کوری ہوگی۔ وہ سرور کائنات ﷺ کی حدیثیں بیان کریں گے لیکن اِیمان ان کے اپنے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ دین سے وہ اس طرح نکلے ہوئے ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ پس تم اُنہیں جہاں کہیں پاؤ تو قتل کر دینا، کیونکہ ان کے قتل کرنے والے کو قیامت کے روز ثواب ملے گا۔''

علامہ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) خوارج کو ''تاریخِ اسلام کی پہلی بدعت'' قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

و أوّل بدعة حدثت فی الإسلام بدعة الخوارج والشيعة۔(۱)

''تاریخ اسلام میں سب سے پہلی بدعت جو شروع ہوئی وہ خوارج اور شیعۃ کی بدعت تھی۔''

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

فكان من أوّل البدع والتفرق الذی وقع فی هذه الأُمة بدعة الخوارج۔(۲)

''اس اُمت میں سب سے پہلی بدعت اور تفرقہ جو واقع ہوا وہ خوارج کی بدعت تھی۔''

اس سے یہ ثابت ہوا کہ اکابر علماء کے نزدیک بدعتی فقط گستاخانِ رسول اور گستاخانِ صحابہ ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضور ﷺ کی بے اَدبی اور صحابہ سے اِختلافِ کثیر کیا لہٰذا اس بے اَدبی اور اِختلاف کی وجہ سے علماءِ اُمت نے اِنہیں بدعتی اور خوارج قرار دیا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کل خوارج کے یہ نمائندہ طبقات اپنی بدعت اور گستاخی کو چھپانے کے لیے جمہور اُمت پر کثرت سے کفر و شرک کے فتوے صادر کرتے

(۱) ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۳: ۲۷۹

(۲) ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۱۲: ۴۷۰

ہیں تاکہ سادہ لوح عوام کو گمراہ کیا جا سکے لیکن چونکہ حضور ﷺ اِن بے اَدبوں اور گستاخوں کی واضح علامات اور نشانیاں(۱) بیان فرما چکے ہیں لہٰذا ان ہدایات کی روشنی میں بڑی آسانی سے ان کے مکروہ چہرے کو بے نقاب کیا جا سکتا ہے۔

خوارج کے مختلف نام

علامہ ابن تیمیہ خوارج کا پس منظر اور ان کے مختلف نام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهؤلاء الخوارج لهم أسماء يقال لهم: ’’الحرورية‘‘ لأنهم خرجوا بمكان يقال له حروراء، ويقال لهم ’’اهل النهروان‘‘ لأن علياً قاتلهم هناک ومن اصنافهم ’’الاباضية‘‘ اتباع عبدالله بن اباض، و’’الأزارقة‘‘ اتباع نافع بن الأزرق و ’’النجدات‘‘ أصحاب نجدة الحروری۔(۲)

’’اور ان خوارج کے کئی نام ہیں۔ اِنہیں ’’حروریہ‘‘ کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے ایسے مکان سے خروج کیا جسے ’’حرورا‘‘ کہا جاتا ہے۔ اور اِنہیں ’’اہلِ نہروان‘‘ کہا جاتا ہے کیونکہ حضرت علیؓ نے اِس مقام پر اِن سے مقاتلہ کیا تھا۔ خوارج کی ایک قسم ’’اَباضیہ‘‘ ہے یہ عبداللہ بن اباض کے پیروکار ہیں۔ اِنہیں ’’اَزارقہ‘‘

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الانبیاء، باب قول الله تعالیٰ و اِلی عادٍ، ۳:۱۲۱۹، رقم: ۳۱۶۶

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاِسلام، ۳: ۱۳۲۱، رقم: ۳۴۱۴

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب ذکر الخوارج و صفاتهم، ۲:۷۴۴، رقم: ۱۰۶۴

۴۔ نسائی، السنن الکبری، ۵:۱۵۹، رقم: ۸۵۶۰-۸۵۶۱ / ۶:۳۵۵، رقم: ۱۱۲۲۰

(۲) ابن تیمیه، مجموع الفتاویٰ، ۷:۴۸۱

بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ نافع بن ازرق کے متبعین ہیں اور انہیں ’’نجدات‘‘ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ نجدة الحروری کے ماننے والے ہیں‘‘

خوارج کے کفریہ عقائد

علامہ ابن تیمیہ اِن تمام خوارج کے عقائد اور اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف ان کی ظالمانہ اور متعصّبانہ کارروائیوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهم أوّل من كفر أهل القبلة بالذنوب بل بما يرونه هم من الذنوب واستحلوا دماء اهل القبلة بذلک، فكانوا كما نعتهم النبي ﷺ ’’يقتلون أهل الاسلام ويدعون أهل الأوثان‘‘(۱) وكفروا علي بن ابي طالب وعثمان بن عفان ومن والاهما. وقتلوا علي بن أبي طالب مستحلين لقتله. قتله عبدالرحمن بن ملجم المرادي منهم، وكان هو وغيره من الخوارج مجتهدين فی العبادة، لكن كانوا جهالاً فارقوا السّنة والجماعة: فقال هؤلاء: ما الناس إلا مؤمن او كافر؛ والمؤمن من فعل جميع الواجبات وترک جميع المحرمات: فمن لم يكن كذلک فهو

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الانبياء، باب قول الله تعالیٰ و اِلی عادٍ، ۳:۱۲۱۹، رقم:۳۱۶۶

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکوة، باب إعطاء المؤلفة، ۲:۷۴۱، رقم:۱۰۶۴

۳۔ ابو داؤد، السنن، ۴:۲۴۳، رقم:۴۷۶۴

۴۔ نسائی، السنن، ۵:۸۷، رقم:۲۵۷۸

۵۔ احمد، المسند، ۳:۶۸، رقم:۱۱۶۶۶

۶۔ بیہقی، السنن الکبری، ۶:۳۳۹، رقم:۱۲۷۲۴

۷۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۰:۱۵۷

كافر: مخلد فی النار. ثم جعلوا كل من خالف قولهم كذلک. فقالوا: ان عثمان وعلياً ونحوهما حكموا بغير ما انزل الله، وظلموا فصاروا كفاراً۔(۱)

’’یہ(خوارج) وہ لوگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے (محض) گناہوں کی وجہ سے اہلِ قبلہ کی تکفیر کی، بلکہ اُن افعال کی وجہ سے(تکفیر کی) جنہیں یہ(اپنے زعمِ باطل میں) گناہ سمجھتے تھے۔اس وجہ سے انہوں نے اہلِ قبلہ کا خون مباح جانا۔پس وہ(خوارج) ایسے لوگ تھے جن کی صفت حضور ﷺ نے یہ بیان کی تھی کہ’’ وہ اہلِ اسلام سے لڑیں گے اور بت پرستوں سے صلح رکھیں گے‘‘ اور انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور اُن کے پیروکاروں کی تکفیر کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خون کو مباح قرار دیتے ہوئے اُن سے جھگڑا کیا۔چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو **عبد الرحمٰن بن ملجم المرادی** نے شہید کیا جو کہ خارجیوں میں سے تھا۔ یہ اور اِسکے علاوہ دیگر خوارج ’’مجتہد فی العبادۃ‘‘ تھے لیکن حقیقت میں وہ جاہل تھے جنہوں نے سنت اور جماعت کو توڑا۔انہوں نے کہا کہ اِنسان مؤمن ہو گا یا کافر۔لہٰذا مؤمن وہ ہے جو تمام واجبات پر عمل کرے اور تمام محرّمات کو ترک کرے جو ایسا نہیں ہے وہ کافر اور دائمی جہنمی ہے۔ پھر انہوں نے ہر اُس شخص کی اِسی طرح تکفیر کرنا شروع کر دی جس نے بھی اِن کی مخالفت کی۔انہوں نے کہا کہ عثمانؓ، علیؓ اور ان کی طرح دیگر لوگوں نے اللہ کے نازل کردہ احکام کے خلاف حکومت کی ہے اور ظلم کیا ہے پس یہ سارے کافر ہو گئے‘‘

علامہ ابنِ تیمیہ خوارج کی دو اہم خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولهم خاصتان مشهورتان فارقوا بهما جماعة المسلمين وأئمتهم: أحدهما: خروجهم عن السنة، وجعلهم ماليس بسيئة سيئة، أو

(۱) ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۷: ۴۸۱

ماليس بحسنة حسنة، وهذا هو الذي أظهروه في وجه النبي ﷺ حيث قال له ذوالخويصرة التميمي: ''إعدل فإنّک لم تعدل'' حتى قال له النبي ﷺ: ''ويلک ! ومن يعدل إذا لم أعدل ؟ لقد خبت وخسرت إن لم أعدل''(١) فقوله: ''فانک لم تعدل'' جعل منه لفعل النبي ﷺ سفها وترک عدل، وقوله : ''اعدل'' أمر له بما اعتقده هو حسنة من القسمة التى لا تصلح، وهذا الوصف تشترک فيه البدع المخالفة للسنة، فقائلها لا بد أن يثبت مانفته السنة و ينفى ما أثبتته السنة، ويحسن ما قبحته السنة أو يقبح ما حسنت السنة، وإلا لم يكن بدعة. وهذا القدر قد يقع من بعض أهل العلم خطأ في بعض المسائل؛ لكن أهل البدع يخالفون السنة الظاهرة المعلومة. والخوارج جوزوا على الرسول نفسه أن يجور ويضل في سنته ولم يوجبوا طاعته متابعته، وإنما صدقوه فيما بلغه من القرآن دون ماشرعه من السنة التى تخالف بزعمهم ظاهر القرآن.

---

(١) ١ـ بخارى، الصحيح، كتاب المناقب، باب علامات النبوة فى الإسلام، ٣: ١٣٢١، رقم: ٣٤١٤

٢ـ بخارى، الصحيح، كتاب الأدب، باب ماجاء في قول الرجل ويلك، ٥: ٢٢٨١، رقم: ٥٨١١

٣ـ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج و صفاتهم، ٢: ٧٤٤، رقم: ١٠٦٤

٤ـ نسائى، السنن الكبرى، ٥: ١٥٩، رقم: ٨٥٦٠ـ ٨٥٦١/ ٦: ٣٥٥، رقم: ١١٢٢٠

٥ـ أحمد بن حنبل، المسند، ٣: ٦٥، رقم: ١١٦٣٩

٦ـ بيهقى، السنن الكبرى، ٨: ١٧١

٧ـ عبدالرزاق، المصنف، ١٠: ١٤٦

٨ـ إبن حبان، الصحيح، ١١: ١٤٨

وغالب أهل البدع غير الخوارج يتابعونهم فی الحقيقة علی هذا: فانهم يرون أن الرسول لو قال بخلاف مقالتهم لما اتبعوه، كما يحكی عن عمرو بن عبيد فی حديث الصادق المصدوق، وإنما يدفعون [عن] نفوسهم الحجة: اما برد النقل: وإما بتأويل المنقول. فيطعنون تارة في الاسناد وتارة في المتن، وإلا فهم ليسوا متبعين ولا مؤتمين بحقيقة السنة التی جاء بها الرسول، بل ولا بحقيقة القرآن.

الفرق الثانی فی الخوارج وأهل البدع: انهم يكفرون بالذنوب والسيئات. ويترتب علی تكفيرهم بالذنوب استحلال دماء المسلمين وأموالهم و ان دار الاسلام دار حرب ودارهم هي دار الايمان. وكذلک يقول جمهور الرافضة؛ وجمهور المعتزلة؛ والجهمية؛ وطائفة من غلاة المنتسبة إلی أهل الحديث والفقه ومتكلميهم۔(۱)

”خوارج کی دو مشہور خصوصیات ہیں جن سے انہوں نے مسلمانوں کی جماعت اور اِن کے ائمہ میں تفرقہ پیدا کیا۔

اِن کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے سنت سے خروج کیا اور اُن اُمور کو گمراہی قرار دیا جو درحقیقت گمراہی نہیں تھے یا ان اُمور کو حسنہ قرار دیا جو فی الواقع حسنہ نہیں تھے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس کا اظہار ان کے نمائندے ذوالخویصرہ تمیمی نے حضور ﷺ کے سامنے کیا جب اس نے آپ ﷺ سے کہا: إعدل فإنّک لم تعدل، یعنی آپ انصاف کریں، آپ نے انصاف نہیں کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: ”وَيْلَکَ، وَمَنْ يَعْدِلُ اِذَا لَمْ اَعْدِلُ؟ قَدْ خِبْتُ وخَسِرْتُ اِنْ لَمْ اَعْدِل“ ”یعنی تیری خرابی ہو، اگر میں

(۱) ابنِ تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۱۹: ۷۲، ۷۳

انصاف نہ کروں تو اور کون انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو ناکام و نامراد رہ جاؤں گا‘‘۔ ذوالخویصرہ تمیمی نے اپنے قول ’’فإنک لم تعدل‘‘ سے حضور ﷺ کے فعل کو غیر معقول عمل اور ترکِ عدل پر محمول کیا۔ اسی طرح اس کے قول ’’إعدل‘‘ سے اسکا اعتقاد یہ تھا کہ اِسکی بات حسنہ ہے بہ نسبت حضور ﷺ کی اس تقسیم کے جو (اِس کے نزدیک) مبنی بر انصاف نہیں تھی (معاذ اللہ)، یہی وہ (خوارج کا) وصف ہے جو مبنی بر بدعت اور مخالفِ سنت ہے۔ اس عقیدے کا حامل بدیہی طور پر ایسی بات کو ثابت کرتا ہے جس کی سنت نفی کرے اور ایسی بات کی نفی کرتا ہے جس کو سنت ثابت کرے۔ اسی طرح یہ ایسی بات کی تحسین کرتا ہے جس کو سنت قبیح جانے اور ایسی بات کو قبیح جانتا ہے جس کو سنت حسنہ جانے اگرچہ وہ بدعت نہ بھی ہو۔ اور اس رویہ کی وجہ سے بعض اہلِ علم سے بعض مسائل میں خطاء سرزد ہوئی ہے۔ مزید برآں اہلِ بدعت (کی علامت یہ ہے کہ وہ) معروف و معلوم سنت کی مخالفت کرتے ہیں۔

خوارج نے اپنے خود ساختہ جواز کی بنیاد اِس مفروضے پر رکھی ہے کہ اگر رسول بھی اپنی سنت سے انحراف و اعراض برتے تو اسکی اطاعت و متابعت واجب نہیں ہے۔ یہ (خوارج) صرف ان اُمور کی تصدیق کرتے ہیں جو ان کے پاس قرآن کی صورت میں پہنچے اور اس مشروع سنت کی مخالفت کرتے ہیں جو ان کے زُعمِ باطل میں ظاہرِ قرآن کے خلاف ہے۔

خوارج کے علاوہ دیگر اہلِ بدعت کی اکثریت حقیقت میں اِن اُمور میں اِن کی متابعت کرتی ہے۔ اِن کی رائے میں اگر رسول بھی اپنے قول کے مخالف بات کرے تو اِس کی اتباع نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ عمرو بن عبید سے مروی روایت میں صادق ومصدوق کا ارشاد ہے۔ یہ اپنے آپ کو نقلی روایات کو رد کرنے یا منقول روایات کی تاویل باطلہ کرنے کی وجہ سے دلیل و حجت سے دور رکھتے ہیں۔ یہ کبھی سند میں طعن کرتے ہیں اور کبھی متن میں۔ حالانکہ نہ یہ

اس حقیقی سنت کے متبعین اور امین ہیں جو رسول ﷺ لے کر آئے ہیں اور نہ ہی قرآن کے ماننے والے ہیں۔

خوارج اور اہل بدعت میں دوسرا گروہ وہ ہے جو گناہوں اور معصیتوں پر تکفیر کرتا ہے اور اس بنا پر یہ مسلمانوں کا خون اور انکے اموال مباح گردانتا ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ دارالاسلام دارالحرب ہے اور انکے اپنے گھر دارالایمان ہیں۔اسی طرح جمہور روافض، معتزلہ، جہمیہ اور غلو کرنے والوں کا ایک ایسا گروہ جو اپنے آپ کو حدیث، فقہ اور متکلمین کی طرف منسوب کرتا ہے، کا بھی یہی عقیدہ ہے۔''

مختصر یہ کہ بدعت کا آغاز حضور ﷺ کے زمانے میں ذوالخویصرہ تمیمی سے ہوا جو بعد میں حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں اپنے عروج پر تھا ۔لہٰذا جنگِ صفین کے بعد خارجیوں نے باقاعدہ جماعت کا اعلان کر دیا۔

خوارج نے عراق کی سرزمین میں ''حرورہ'' کے مقام پر اپنا مرکز بنایا، اپنا امیر مقرر کرکے ایک جماعت بنائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے پیروکاروں کو بدعتی اور مشرک کہا۔ان **خوارج کی پہچان ہی یہ تھی کہ یہ دوسرے مسلمانوں کو بدعتی اور مشرک کہتے تھے**۔انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے کے لیے **لا حکم اِلا اللہ** کا نعرہ بھی لگایا جس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

كلمة حق أريد بها باطل۔(۱)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، ۲: ۷۴۹، رقم: ۱۰۶۶

۲۔ابن حبان' الصحیح' ۱۵ :۳۸۷' رقم:۶۹۳۹

۳۔ابو نعیم أصبہانی' المسند المستخرج علی صحیح الإمام مسلم' ۳:۱۳۴' رقم:۲۳۷۸

۴۔نسائی' السنن الکبریٰ'۵:۱۶۰' رقم:۸۵۶۲

۵۔بیہقی' السنن الکبریٰ'۸:۱۷۱

۶۔ابن ابی عاصم' السنۃ' ۲:۴۵۳' رقم:۹۲۸

’’یہ بات تو حق ہے البتہ اس سے اِرادہ باطل کا کیا گیا ہے۔‘‘

خوارج کی پہچان اور علامات

خوارج کے نزدیک ’’لا حکم الا للہ‘‘ کا نعرہ اصل میں نعرہ توحید تھا۔ یہ سارا زور توحید پر صرف کرتے اور جمہور اُمتِ مسلمہ کو مشرک اور بدعتی قرار دیتے۔ حضور ﷺ نے اِن فتنہ پرور خارجیوں کی چھ علامات بیان کی تھیں۔ **امام ترمذیؒ** (۲۷۹ھ) جامع ترمذی کتاب الفتن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

يَخْرُجُ فِي اٰخِرِالزَّمَانِ قَوْمٌ اَحْدَاثُ الْاَسْنَانِ، سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ، يَقْرَءُ وْنَ الْقُرْاٰنَ، لاَ يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَقُوْلُوْنَ مِنْ قَوْلِ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ۔(۱)

’’آخری زمانے میں ایک قوم پیدا ہوگی جن کی عمریں کم ہوں گی، بے عقل ہوں گے، قرآن پاک پڑھیں گے لیکن یہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، سرورِ کائنات ﷺ کی اَحادیث پیش کریں گے، یہ دین سے ایسے نکلیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔‘‘

مختصراً مذکورہ حدیث کی روشنی میں ان کی معروف اور واضح نشانیاں یہ ہوں گی:

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب ماجاء صفة المارقة، ۴: ۴۸۱، رقم: ۲۱۸۸
۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب استتا بة المرتدین، باب قتل الخوارج: ۶۵۳۱، رقم: ۶۵۳۱
۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۶، ۴۴
۴۔ حاکم، المستدرك، ۲: ۱۵۹، رقم: ۲۶۴۵
۵۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۲: ۴۵۶، رقم: ۹۳۷
۶۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸: ۱۸۷
۷۔ دیلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۳۲۲رقم: ۳۴۶۰
۸۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۶: ۲۳۰

۱۔ يَخْرُجُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ (آخری زمانہ)

۲۔ قَوْمٌ اَحْدَاثُ الْاَسْنَانِ (کم عمری یعنی نوجوان)

۳۔ سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ (کم عقل یا Brain washed)

۴۔ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ (ہر معاملے میں قرآن کا حوالہ)

۵۔ يَقُوْلُوْنَ مِنْ قَوْلِ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ (نیک صالح، اسلامی نعرے اور منشور)

۶۔ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ (دین سے خروج)

اِن علامات سے واضح ہوجاتا ہے کہ جو گروہ یا فرقہ حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ پر زبانِ طعن دراز کرے اور جمہور اُمت کو گمراہ، بدعتی اور مشرک کہے حقیقت میں وہ خود بدعتی اور خارجی ہے۔

تاریخ اسلام کی سب سے پہلی بدعت ...... گستاخیٔ رسول ﷺ

بدعت کا سب سے پہلا ظہور حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں آپ ﷺ کی گستاخی کی صورت میں رونما ہوا اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ سب سے پہلا گستاخِ رسول ذوالخویصرہ التمیمی تھا جس نے حضور ﷺ کو '' إعدل'' یا ''إتّق الله'' کہہ کر اپنے خبثِ باطن کا اِظہار کیا۔ یہ نہروان کی جنگ میں خوارج کی طرف سے لڑتا ہوا مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔اس پہلی گستاخی کا تذکرہ کرتے ہوئے امام ابنِ تیمیہ لکھتے ہیں:

''قال له ذوالخويصرة التميمی: ''إعدل فإنک لم تعدل'' حتی قال له النبی ﷺ : ''ويلک ! ومن يعدل إذا لم أعدل ؟[1] لقد خبت وخسرت إن لم أعدل'' فقوله: ''فانک لم تعدل'' جعل منه لفعل

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام، ۳: ۱۳۲۱، رقم: ۳۴۱۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب ذکر الخوارج و صفاتهم، ۲: ۷۴۴، رقم: ۱۰۶۴

←

النبي ﷺ سفها وترک عدل، وقوله : ’’اعدل‘‘ أمر له بما اعتقده هو حسنة من القسمة التی لا تصلح۔(۱)

’’ذوالخویصرہ تمیمی نے آپ ﷺ سے کہا: اعدل فإنک لم تعدل، یعنی آپ انصاف کریں، آپ نے انصاف نہیں کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: ’’وَیْلَکَ، وَمَنْ یَعْدِلُ اِذَا لَمْ اَعْدِلْ؟ قَدْ خِبْتُ وخَسِرْتُ اِنْ لَمْ اَعْدِلْ‘‘ ’’یعنی تیری خرابی ہو، اگر میں انصاف نہ کروں تو اور کون انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو ناکام و نامراد رہ جاؤں گا۔‘‘ ذوالخویصرہ تمیمی نے اپنے قول ’’فإنک لم تعدل‘‘ سے حضور ﷺ کے فعل کو غیر معقول عمل اور ترکِ عدل سے تعبیر کیا۔ اسی طرح اس کے قول ’’إعدل‘‘ سے اس کا اعتقاد یہ تھا کہ اِس کی بات حسنہ ہے بہ نسبت (حضور ﷺ کی) اس تقسیم کے جو (اِس کے نزدیک) مبنی بر انصاف نہیں تھی (معاذ اللہ)۔‘‘

❁ ❁ ❁

------ ۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۵:۱۵۹، رقم: ۸۵۶۰-۸۵۶۱/ ۶:۳۵۵، رقم: ۱۱۲۲۰

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۶۵، رقم: ۱۱۶۳۹

۵۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸: ۱۷۱

۶۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱۰:۱۴۶

(۱) ابنِ تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۱۹: ۷۲

باب: ۳

مُحدثاتُ الأُمور کا اِطلاق کن اُمور پر کیا گیا

۱۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت کا فتنہ

ا۔ اَسود عنسی کا دعویٰ نبوت

ب۔ طلیحہ اسدی کا دعویٰ نبوت

ج۔ مسیلمہ کذّاب کا دعویٰ نبوت

د۔ سجاح بنت حارثہ کا دعویٰ نبوت

۲۔ فتنۂ اِرتداد

۳۔ فتنۂ منکرینِ زکوٰۃ

۴۔ فتنۂ خوارج

اَب مُحدثات الأُمور کس سطح کے اُمور کو کہا جائے گا؟

گزشتہ اَبواب میں ہم قدرے شرح و بسط سے یہ موضوع زیرِ بحث لا چکے ہیں کہ اِحداث فی الدّین سے کیا مراد ہے اور اِس پہلو پر شدّ و مد سے زور دیا گیا کہ اِس کا اِطلاق چھوٹے چھوٹے فروعی اورنزاعی اِختلافات پرنہیں ہوتا بلکہ اِس کا اِطلاق صرف اُن اُمور پر ہوتا ہے جن کی بنا پر اِسلام سے اِخراج یا اِرتداد لازم آتا ہے، اَساسِ دین میں اِس قدرتغیر اور بگاڑ واقع ہو جاتا ہے کہ اِس اِحداث کی وجہ سے اُمت کا اِتحاد پارہ پارہ ہو جاتا ہے اورلوگ اِختلافِ کثیر کا شکار ہو کر گروہوں اور فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ حضور سرور دو عالم ﷺ کے وصال کے فوراً بعد خلفائے راشدین ﷺ کے زمانے میں جو بڑے بڑے اِحداث و بدعات رونما ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

ا۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت کا فتنہ

حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد جھوٹے مدعیانِ نبوت کے فتنے نے سر اُٹھایا اور اِنکا یہ دعویٰ نبوت ''اِحداث فی الدّین'' تھا۔ اِن جھوٹے مدعیان نبوت کا اِجمالی تذکرہ درج ذیل ہے۔

۱۔ اَسود عنسی کا دعویٰ نبوت

یہ شخص عنس قبیلہ کا سردار تھا جس نے حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ معروف مؤرّخ احمد بن ابی یعقوب (۲۸۷ھ) اپنی کتاب تاریخ الیعقوبی میں لکھتے ہیں:

واما الأسود بن عنزة العنسی کان تنبأ علی عهد رسول الله ﷺ فلما بویع أبو بکر ظهر أمره واتبعه علی ذلک قوم فقتله قیس بن

مکشوح المرادی وفیروز الدیلمی، دخلا علیه منزله وهو سکران فقتلاه۔(۱)

''اسود بن عنزہ عنسی نے رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ جب حضرت ابوبکر ﷛ کی خلافت پر بیعت کی گئی تو اس نے اپنی نبوت ظاہر کر دی جس پر اس کی قوم نے اس کی اِتباع کی۔ بالآخر دو شخصیتوں! قیس بن مکشوح المرادی اور فیروز دیلمی نے اس کے گھر میں داخل ہوکر اسے اُس وقت قتل کردیا جب وہ نشے کی حالت میں تھا۔''

مختلف کتب تاریخ میں اسود عنسی کا دعویٰ نبوت اور اس کا قتل ہونا مؤرخین و مفسرین نے تحریر کیا ہے ان میں سے کچھ کتب کے نام بمع حوالہ جات درج ذیل ہیں:

۱۔ بلاذری، فتوح البلدان، ۱: ۱۲۵، ۱۲۷

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۲۱۳، ۲۱۷

۳۔ ثعالبی، ثمار القلوب: ۱۴۸

۴۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۲: ۳۳۶

۵۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۶: ۳۱۱

۶۔ عسقلانی، الاصابة فی تمییز الصحابه، ۱: ۴۶۷

۷۔ ابن قتیبہ، المعارف: ۱۰۵، ۱۷۰

ب۔ طلیحہ اسدی کا دعویٰ نبوت

طلیحہ اسدی کا تعلق بنو اَسد کے قبیلے سے تھا۔ اس قبیلہ کو بنو طے اور بنوغطفان میں بھی کافی اثر ونفوذ حاصل تھا۔ **علامہ ابن جریر طبری**ؒ (۳۱۰ھ) تاریخ الامم والملوک

(۱) یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ۲: ۱۳۰

میں طلیحہ اَسدی کے دعویٰ نبوت کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

عن عروة عن أبيه قال لما مات رسول الله ﷺ و فصل أسامة إرتدت العرب عوام أو خواص و توحى مسيلمة وطليحة فاستغلظ أمرهما واجتمع على طليحة عوام طيء و أسد وأرتدت غطفان إلى ما كان من أ شجع وخواص من الافناء فبايعوه۔(۱)

’’عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد عرب کے بعض خاص و عام مرتد ہو گئے اور مسیلمہ اور طلیحہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ بنوطئی اور بنو اسد کے عوام طلیحہ کے ساتھ مل گئے اور غطفان سے لے کر اشجع تک حتی کہ بعض علاقوں کے خواص (سردار و امراء وغیرہ) بھی مرتد ہوگئے اور اس کی بیعت کرلی۔‘‘

اس صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر طلیحہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ بزافہ کے مقام پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا اور معرکہ کا آغاز ہوگیا۔ اس جنگ میں عیینہ بن فزارہ سات سو افراد کے ساتھ طلیحہ کی حمایت میں جنگ کے لئے شریک ہوا جو سب جواں مردی سے لڑے۔ طلیحہ اپنے اونی خیمہ میں چادر اوڑھے بیٹھا ہوا تھا۔ دوران جنگ عیینہ نے دو دفعہ طلیحہ کے پاس آ کر پوچھا کہ جبرائیل آئے کہ نہیں، لیکن جواب نفی میں پاتا، جب تیسری دفعہ پوچھا تو طلیحہ نے کہا کہ ہاں، عیینہ نے پوچھا کیا کہا تو اس نے کہا:

قال لی ان لک رحاً کرحاه و حديثا لا تنساه۔(۲)

---

(۱) طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۲۲۱، ۲۲۲

(۲) ۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۲۲۹

۲۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ۲: ۴۷۶

۳۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۲: ۳۴۳، ۳۴۹

۴۔ ابن حبان، السیرة النبوية، ۱: ۴۳۲

”جبرائیل نے مجھ کہا ہے کہ تیرے لیے شدت کی جنگ ایسی ہوگی جس کو تو ناپسند کرے گا اور ایک ایسا واقعہ ہوگا جو کبھی فراموش نہ ہوگا۔“

یہ سن کر عیینہ نے جان لیا کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔ پس اس نے جا کر میدان جنگ میں کہا کہ طلیحہ جھوٹا ہے لڑائی چھوڑو اور اپنی جانیں بچاؤ۔ بعض لوگ طلیحہ کے پاس آئے اور پوچھا کہ اب کیا کریں تو اس نے ان کو کہا کہ بھاگ جاؤ۔ اس جنگ کے بعد چھ قبائل مشرف بہ اِسلام ہو گئے، پھر کچھ عرصہ بعد طلیحہ نے بھی اِسلام قبول کرلیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

شیخ احمد بن ابی یعقوبؒ (۲۸۷ھ) تاریخ یعقوبی میں لکھتے ہیں کہ حضرت خالدؓ بن ولید نے سب سے پہلے طلیحہ کی جماعت پر حملہ کر کے اس کے متبعین کو قتل کیا اور عیینہ بن حصن کو گرفتار کر کے تیس قیدیوں کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔ عیینہ بن حصن نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا لیکن طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے عذر خواہی کے طور پر دو شعر لکھ کر بھیجے اور تجدیدِ ایمان کے بعد حلقۂ اِسلام میں داخل ہو گیا۔(۱)

ج۔ مسیلمہ کذّاب کا دعویٰ نبوت

مسیلمہ کذّاب کا تعلق عرب کے ایک بڑے قبیلہ بنو حنیفہ سے تھا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی یہ سارا قبیلہ مسلمان ہو چکا تھا۔ مسیلمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میں اس شرط پر اسلام قبول کروں گا کہ آپ اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ بنا دیں۔ گویا کہ اس کے دل میں اِسلام کی محبت نہیں مال و دنیا اور جاہ و منصب کا لالچ تھا جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھانپ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں اُس وقت کھجور کی ایک ٹہنی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تو اِسلام کے عوض مجھ سے کھجور کی یہ ٹہنی بھی مانگے تو میں یہ بھی نہ دوں گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو وہی کاذب ہے جس کے متعلق مجھے خواب میں

(۱) ابو یعقوب، تاريخ اليعقوبی، ۲:۱۴۵

پہلے ہی خبر دی جا چکی ہے۔(۱)

مسیلمہ کذّاب نے آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں ۱۰ھ میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب مدعیان نبوت نے سر اٹھایا تو مسیلمہ ان میں پیش پیش تھا اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کو اس کی سرکوبی کے لیے مہم پر روانہ کیا، اس کے بعد شرحبیل رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کے ساتھ جنگ لڑی مگر کامیابی نہ حاصل ہوئی پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یمامہ کی طرف ایک لشکر کے ساتھ بھیجا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور شرحبیل رضی اللہ عنہ نے مل کر مسیلمہ کذّاب سے جنگ کی۔ اس سے پہلے شرحبیل رضی اللہ عنہ نے عجلت میں مسیلمہ کذّاب سے جنگ کی تھی جس میں اسے نقصان اُٹھانا پڑا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یمامہ میں مسیلمہ کذّاب تدبّر وحکمت سے جنگ لڑی۔ اس لڑائی کے دوران مسیلمہ کو ایک حبشی غلام نے قتل کر دیا اور اس طرح یہ فتنہ خلافتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں اپنے اَنجام کو پہنچا۔

تاریخ یعقوبی میں **شیخ احمد بن ابی یعقوب**ؒ (۲۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ مسیلمہ کذّاب کی بیخ کنی کے لئے حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ روانہ کئے گئے لیکن قبل اس کے کہ وہ حملہ کی ابتداء کریں حضرت خالد بن ولید کو ان کی اِعانت کے لئے روانہ کیا گیا چنانچہ انہوں نے دشمن کو شکست دی۔ اس کے بعد خود مسیلمہ سے مقابلہ کیا۔ مسیلمہ نے اپنے جنگجو حامیوں کو ساتھ لے کر نہایت شدید جنگ کی جس میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد شہید ہوئی۔ شہداء میں بہت سے حفاظِ قرآن بھی تھے۔ اس جنگ میں بالآخر فتح مسلمانوں کے ہاتھ رہی اور مسیلمہ کذّاب حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ مسیلمہ کی بیوی **سجاح بنت حارثہ** جو خود مدعی نبوت تھی بھاگ کر بصرہ پہنچی اور کچھ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب کان النبی ﷺ تنام عینه ولا ینام قلبه، ۳:۱۳۵۲، رقم:۳۴۲۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الرویاء، ۴:۱۷۸۰، رقم:۲۲۷۳

دنوں کے بعد مر گئی۔(۱)

تقریباً تمام مؤرخین اور مفسرین نے مسیلمہ کذّاب کے جھوٹے دعویٰ نبوت کا ذکر بڑی تفصیل سے اپنی اپنی کتب میں مختلف انداز میں تحریر کیا ہے جن میں چند یہ ہیں۔

۱۔ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ۲: ۲۴۳۔۲۵۱

۲۔ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ۲: ۴۸۰

۳۔ امام ذہبی، تاریخ الاسلام، :۳۸

۴۔ یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، ۲: ۱۳۰

۵۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۲: ۳۶۰

د۔ سجاح بنت حارثہ تمیمہ

آپ ﷺ کے وصال کے فوراً بعد مردتو مرد طبقۂ نسواں کے سر میں بھی جعلی نبوت کا سودا سما گیا تھا۔ چنانچہ سجاح بنت حارثہ تمیمہ جو حضور ﷺ کے وصال کے بعد ۱۱ھ میں منظرِ عام پر آئی، نے نہایت زور شور کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا اور اشعث بن قیس اس کا داعیٔ خاص تھا۔ سجاح نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد مرتدین و مذبذبین کی گہری اندرونی مناقشت کی وجہ سے بنوتمیم کا شیرازہ بکھرا ہوا پایا تو اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی چرب زبانی سے انہیں اپنا پیرو بنانے کی کوشش کی، انہیں وہ مدینے کے خلاف مہم میں لے جانا چاہتی تھی۔ غالباً حضور ﷺ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے تھوڑی دیر کے لیے اس نے اپنے تمام قبیلے کی حمایت حاصل کر لی تھی۔ اس نے اپنے وسائل و ذرائع کو بحال رکھنے کے لیے اور اپنی قوت مضبوط کرنے کے لئے ایک سمجھوتے کے تحت مسیلمہ سے شادی بھی کر لی تھی۔ (۲)

(۱) تاریخ یعقوبی، ۲: ۱۴۷

(۲) ۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۱: ۱۹۱۱

۲۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۱۰۰

۳۔ دیاربکری، التاریخ الخمیس، ۲: ۱۵۹

یہ تمام جھوٹے مدعیانِ نبوت جن کا ذکر اُوپر ہوا، اِن کا ظہورِ دین میں اِحداث و بدعت تھا لہٰذا یہ اور اس سطح کے دیگر اِحداث و بدعات ''من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو ردّ''(۱) کے تحت مردود ہوں گے۔

۲۔ فتنۂ اِرتداد

حضور ﷺ کے وصال فرمانے کے ساتھ ہی اِحداث کی شکل میں ایک اور فتنہ رونما ہوا جسے فتنۂ اِرتداد کہتے ہیں۔ عرب کے کئی نومسلم قبائل اِسلام سے پھر گئے اور دوبارہ اپنی پرانی روش پر چل نکلے، اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کمال جرأت و پامردی سے اس فتنہ کا قلع قمع کیا۔ فتنۂ اِرتداد کے حوالے سے چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ امام نسائی (۳۰۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فتنۂ اِرتداد کا تذکرہ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

لما توفّي رسول الله ﷺ إرتدت العرب. قال عمر یا أبا بکرٍ کیف تقاتل العرب فقال ابو بکر رضی اللہ عنہ إنّما قال رسول الله ﷺ أُمرت أن أُقاتل الناس حتّی یشهدوا أن لا إله الا الله و أنّی رسول الله ویقیموا الصّلوٰة و یؤتوا الزکوٰة. والله لو منعونی عناقًا ممّا

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۴۳، کتاب الاقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة، رقم: ۱۷۱۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، المقدمه، ۱: ۷، باب تعظیم حدیث رسول الله، رقم: ۱۴

۳۔ احمد بن حنبل، المسند: ۶: ۲۷۰، رقم: ۲۶۳۷۲

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۲۰۷، رقم: ۲۶

۵۔ دار قطنی، السنن، ۴: ۲۲۴، رقم: ۷۸

۶۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۱: ۲۳۱، رقم: ۳۵۹

۷۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۱۹

كانوا يعطون رسول الله ﷺ لقاتلتهم عليه قال عمر رضی اللہ عنہ فلمّا رأيتُ راْيَ أبي بكرٍ قد شُرِح علمتُ أنّه الحقّ. (۱)

''جب حضور سرورِکونین ﷺ کا وصال ہوا تو عرب کے بعض لوگ مرتد ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ عربوں سے کیسے جنگ کریں گے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اِس پر فرمایا، کیونکہ حضور ﷺ کا اِرشاد ہے کہ مجھے لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم ہوا ہے یہاں تک کہ وہ اس اَمر کی شہادت دیں کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی گواہی دیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا) خدا کی قسم اگر یہ لوگ وہ بکری کا بچہ بھی نہ دیں گے جو وہ حضور ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں انہیں قتل کروں گا۔ یہ سن کر حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: جب میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے پر غور کیا تو مجھے شرحِ صدر نصیب ہوا اور میں جان گیا کہ حق اسی طرح ہے۔''

۲۔ **امام طبریؒ** (۳۱۰ھ) آپ ﷺ کے وصال کے بعد قبائلِ عرب میں فتنۂ اِرتداد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عن المجالد بن سعيد قال لما فصل أسامة كفرت الارض و تضرمت و إرتدت من كلّ قبيلة عامة أو خاصّة إلا قريشا و ثقيفا. (۲)

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، كتاب الجهاد، ۶:۶، رقم: ۳۰۹۳
۲۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۴:۷، رقم: ۲۲۴۷
۳۔ حاکم، المستدرك على الصحيحين، ۱:۵۴۴، رقم: ۱۴۲۷
۴۔ بیہقی، السنن الكبریٰ، ۸:۱۷۷
۵۔ معمر بن راشد، الجامع، ۱۱:۵۲

(۲) ۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوك، ۲: ۲۵۴
۲۔ قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۸:۱۴۷
۳۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۴:۷، رقم: ۲۲۴۷

”مجالد بن سعید روایت کرتے ہیں کہ جب اُسامہ رضی اللہ عنہ لشکر لے کر روانہ ہوئے تو ان کے بعد سرزمینِ عرب اِسلام سے بغاوت پر اُتر آئی اور تمام قبائل میں سے لوگ چاہے عام ہوں یا خاص سوائے قریش اور ثقیف کے سرکش اور مرتد ہوگئے۔“

۳۔ **امام جلال الدین سیوطیؒ** (۹۱۱ھ) ”تاریخ الخلفاء“ میں فتنۂ اِرتداد کے سدِّ باب کے لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے کی گئی کاوشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وفی سنة اثنتی عشرة بعث الصديق العلاء بن الحضرمی الی البحرين وكانوا قد ارتدوا فالتقوا بجواثی فنصر المسلمون، و بعث عكرمة بن ابی جهل الی عمان وكانوا قد ارتدوا، وبعث المهاجربن أبی أمية إلی أهل النجير وكانوا قد ارتدوا، و بعث زياد بن لبيد الأنصاری إلی طائفة من المرتدة۔(۱)

”۱۲ھ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اہلیانِ بحرین کے مرتد ہونے پر علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین روانہ کیا تو ان کا آمنا سامنا جواثی کے مقام پر ہوا تو مسلمانوں نے فتح حاصل کی اور اسی طرح عکرمہ بن ابی جہل کو مرتدینِ عمان کی سرکوبی کے لیے اور مہاجر بن ابو امیہ کو اھل نجیر جوکہ مرتد ہوگئے تھے کو زیر کرنے کے لیے، اور زیاد بن لبید کو مرتدین کی دیگر جماعتوں کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔“

۴۔ فتنۂ منکرینِ زکوٰۃ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد پے در پے سر اُٹھانے والے فتنوں میں تیسرا اہم فتنہ منکرینِ زکوٰۃ کا تھا۔ یہ گروہ چونکہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا اور صرف زکوٰۃ ادا

(۱) سیوطی، تاریخ الخلفاء، ۱:۷۶

کرنے سے منکر تھا اس لئے اِن کے خلاف تلوار اُٹھانے کے متعلق خود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں اِختلافِ رائے پایا جاتا تھا۔ **امام بخاری**رحمہ اللہ (۲۵۶ھ) بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے نڈر صحابی نے خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اِن کے خلاف قتال سے روکنا چاہا اور کہا:

كيف تقاتل الناس وقد قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا اله إلا الله فمن قالها فقد عصم منى ماله و نفسه إلا بحقه و حسابه على الله۔

’’آپ کس طرح لوگوں کو قتل کریں گے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ میں اس وقت تک قتال کرونگا جب تک لوگ **لاالہ إلا اللہ** نہ کہہ دیں اور جس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا تو اس کے مال و جان کی حفاظت میری ذمہ داری ہے مگر جو اس کا حق ہوا، اوراس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہوگا‘‘

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کا مؤقف تھا کہ آپ ایک ایسی جماعت کے خلاف کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جو توحید و رسالت کا اِقرار کرتی ہے اورصرف زکوٰۃ کی منکر ہے، لیکن خلیفہ اَوّل سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا غیر متزلزل اِرادہ و اِستقلال اس اِختلاف رائے سے مطلق متأثر نہ ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ نے صاف فرما دیا:

واللہ لأ قاتلنّ من فرق بين الصلوٰة والزّكاة فانّ الزكاة حق المال، واللہ لو منعونى عناقا كانوا يؤدونها إلى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لقاتلتهم على منعها

’’اللہ کی قسم میں اس کے خلاف ضرور لڑوں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا کیونکہ زکوٰۃ بیت المال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر انہوں نے مجھے ایک رسّی دینے سے بھی اِنکار کیا جسے وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ادا کرتے تھے تو اس کے ترک کرنے پر بھی میں ان سے ضرور قتال کروں گا‘‘۔

اس جرائتمندانہ اور فیصلہ کن اقدام کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی تنبیہہ اور تادیبی کاروائی کے بعد تمام منکرین خود زکوٰۃ لے کر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اَصابتِ رائے کا اعتراف کرنا پڑا۔ لہٰذا انہوں نے سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی جہانبانی اور جہاں بینی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

فو اللہ ماھو إلّا أن قد شرح اللہ صدر أبی بکر فعرفت أنه الحق۔(۱)

’’اللہ رب العزت کی قسم! اس کے سوا کوئی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا تو میں جان گیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حق پر ہیں۔‘‘

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۵۰۵، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، رقم: ۱۳۳۵

۲۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۶۵۷، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ، رقم: ۶۸۵۵

۳۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۵۱، کتاب الایمان، باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ إلا اللہ، رقم: ۲۰

۴۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۳، کتاب الایمان، باب أمرت أن أقاتل، رقم: ۲۶۰۷

۵۔ ابوداؤد، السنن، ۲: ۹۳، کتاب الزکاۃ، باب وجوبھا، رقم: ۱۵۵۶

۶۔ نسائی، السنن، ۵: ۱۴، کتاب الزکاۃ، باب مانع الزکاۃ، رقم: ۲۴۴۳

۷۔ نسائی، السنن الکبری، ۲: ۲۸۰، رقم: ۳۴۳۲، ۳۴۳۵

۸۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۷، رقم: ۳۳۵

۹۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۴۵۰، رقم: ۲۱۷

۱۰۔ عبدالرزاق، المصنف، ۴: ۴۴، رقم: ۶۹۱۶

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) تاریخ الخلفاء میں فتنۂ اِنکارِ زکوٰۃ کے حوالے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کرتے ہیں کہ:

لما قبض رسول الله عليه الصلاة والسلام إرتد من العرب و قالوا: نصلّی ولا نزکّی[1]، فأتيت أبابكر، فقلت: يا خليفة رسول الله تألّف النّاس وارفُق بهم فإنّهم بمنزلة الوحش، فقال: رَجَوتُ نصرتک و جئتنی بخذلانک، جبارا فی الجاهلية خوارا فی الإسلام، بماذا عسيتُ أن أتألفهم؟ بشعر مفتعل أو بسحر مُفتَرًى؟ هيهات هيهات! مضى النّبی صلى الله عليه و آله وسلم وإنقطع الوحی، والله لأجاهدنّهم ما استمسک السيف فی يدی، و إن منعونی عِقَالاً، قال عمر: فوجدته فی ذلک أمضى منی و أحزم و آدب النّاس على أمور۔(۲)

’’حضور ﷺ کے وصال کے بعد کچھ عرب مرتد ہو گئے اور انہوں نے کہا نصلّی ولا نزکّی ’’یعنی ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے‘‘(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے یہ واقعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا اور کہا اے خلیفۂ رسول ﷺ تالیفِ قلب کے لیے لوگوں پر نرمی فرمایئے کیونکہ یہ جانوروں کی مانند ہیں۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اے عمر! مجھے تو آپ سے اِمداد کی توقع ہے، تم یہ کمزوری کیوں دکھا رہے ہو؟۔ زمانۂ جاہلیت میں تم بڑے جری اور قوی تھے زمانۂ اسلام میں یہ کمزوری کیسی؟(جبّاراً فی الجاهلية خواراً فی الإسلام) بتاؤ میں کس ذریعہ سے ان لوگوں کی تالیفِ قلوب کروں؟ آیا باتیں بناؤں، جادو کروں، افسوس افسوس۔ سرورِ عالم ﷺ نے رحلت فرمائی اور وحی بند ہوگئی۔ جب تک میرے

(۱) ہیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۲۲۰

(۲) سیوطی، تاریخ الخلفاء: ۷۲

ہاتھ میں تلوار ہے بخدا زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد کروں گا یہاں تک کہ وہ زکوٰۃ کی پوری رقم ادا کر دیں۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو میں نے اس معاملہ میں اپنے سے بھی زیادہ مستعد تیار اور اَحکام جاری کرنے والا پایا ہے''

۴۔ فتنۂ خوارج

عالمِ اِسلام کو اوائل دور سے ہی جس بڑے فتنے کا سامنا کرنا پڑا اُسے تاریخ میں فتنۂ خوارج سے موسوم کیا گیا ہے۔ مؤرّخین کی کتب سے پتا چلتا ہے کہ گروہِ خوارج کی اِبتداء حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے ہو گئی تھی۔ جب صفّین کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں کئی روز تک لڑائی جاری رہی جس کے نتیجے میں ہزارہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ شہید ہوئے ، بالآخر فیصلہ کیا گیا کہ طرفین سے دو معتمد اشخاص کو حَکَم بنایا جائے جو قرآن وسنت کے مطابق کوئی ایسی تدبیر نکالیں جس سے لڑائی کا خاتمہ ہو سکے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حَکَم مقرر ہوئے اور طرفین سے عہد نامہ لکھا گیا جس کے نتیجہ میں لڑائی ختم ہو گئی۔ علامہ ابنِ اثیر جزریؒ (۶۳۰ھ) الکامل فی التاریخ میں فتنۂ خوارج کی اِبتداء کے بارے میں رقمطراز ہیں:

خَرَجَ الْأَشْعَثُ بِالْكِتَابِ يَقْرَؤُهُ عَلَى النَّاسِ حَتَّى مَرَّ عَلَى طَائِفَةٍ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ فِيهِمْ عُرْوَةُ بْنُ أُدَيَّةَ أَخُو أَبِي بِلَالٍ فَقَرَأَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ عُرْوَةُ: تَحَكَّمُونَ فِي أَمْرِ اللهِ الرِّجَالُ؟ لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ۔(۱)

---

(۱) ۱۔ ابن اثیر، الكامل فی التاريخ، ۳: ۱۹۶
۲۔ طبری، تاريخ الامم والملوك، ۳: ۱۰۴
۳۔ ابن جوزی، المنتظم، ۵: ۱۲۳

”اَشعث بن قیس نے اس عہدنامہ کو (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوا تھا) لے کر ہر ہر قبیلہ میں لوگوں کو پڑھ کر سنایا۔ جب قبیلہ بنی تمیم میں پہنچے تو عروہ بن اُدیہ (خارجی) جو ابوبلال کا بھائی تھا بھی ان میں تھا جب اس نے وہ معاہدہ انہیں سنایا تو عروہ (خارجی) کہنے لگا: اللہ کے امر میں آدمیوں کو حَکم بناتے ہو؟ لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہ یعنی حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔“

اس نے یہ کہہ کر اَشعث بن قیس کی سواری کے جانور کو تلوار ماری جس سے آپ رضی اللہ عنہ نیچے گر پڑے۔ اس پر آپ کے قبیلہ والے اور ان کے لوگ جمع ہوگئے اور جھگڑا ہوتے ہوتے رہ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب صفین سے واپس کوفہ پہنچے تو ان کو خوارج کے عزائم اور اس عمل سے آگاہی حاصل ہوئی تو آپ نے فرمایا:

كلمة حق أريد بها باطل، إن سكتوا غممناهم و إن تكلموا حججناهم و إن خرجوا علينا قاتلناهم۔(۱)

”بات تو حق ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے۔ اگر وہ خاموش رہے تو ہم ان پر چھائے رہیں گے اور اگر انہوں نے کلام کیا تو ہم ان پر دلیل لائیں گے اور اگر وہ ہمارے خلاف نکلے تو ہم ان سے لڑیں گے۔“

خوارج نے لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا اور انہیں پہاڑوں یا دوسرے شہروں کی طرف نکلنے کا مشورہ دیا۔ ان بدبختوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کو بدعتِ ضلالۃ تک کہا۔ آخر کار ان لوگوں نے آپس کے مشورہ سے ” **الحکم للّٰہ** “ کے اجراء کے لئے نہروان کے مقام کو پسند کیا جہاں سب جمع ہوگئے۔

نہروان کے مقام پر ان خارجیوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان لڑائی کے سلسلے کا اس وقت تک آغاز نہ ہوا جب تک انہوں نے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبداللہ بن

(۱) ۱۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۳: ۲۱۲، ۲۱۳
۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوك، ۳: ۱۱۴

خباب رضی اللہ عنہ کو شہید نہ کر دیا۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

دونكم القوم، قال جندب: فقتلت بكفى هذه ثمانية قبل أن أصلى الظهر وما قتل منا عشرة ولا نجا منهم عشرة۔(۱)

''اس قوم کو لو (یعنی قتل کرو)، جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نماز ظہر سے قبل اپنے ہاتھوں سے آٹھ خوارج کو قتل کیا اور ہم میں سے دس شہید نہ ہوئے اور ان میں سے دس آدمی نہ بچے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یوں فتنۂ خوارج اپنے انجام کو پہنچا۔ یہی وہ فتنے تھے جن کی پیشین گوئی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اِجتماع میں اِشارۃً فرمائی اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال فرما جانے کے بعد رونما ہوئے۔انہیں فتنوں کو محدثات الأُمور کا نام دیا گیا۔ لہٰذا یہ چاروں طبقات (مدعیانِ نبوت، منکرینِ زکوۃ، اِرتداد کے مرتکبین، خوارج) صحیح روایات کے مطابق محدثات کے مرتکبین تھے اور احادیث نے ''اِحداث'' کے معنی کو ''ارتداد'' کے ساتھ مختص کر دیا ہے، پس اِحداث سے مراد اِرتداد ہوگا اور یہی بدعت ضلالت اور داخلِ دوزخ شمار ہوگی۔

خوارج سے متعلق چند اہم روایات کا تذکرہ ذیل میں کیا جا تا ہے:

۱۔ **امام مسلم** رحمہ اللہ (۲۶۱ھ) خوارج کی فتنہ انگیزی اور ان کی علامات کا ذکر کرتے ہوئے درج ذیل روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم أَنَّ الْحَرُوْرِيَّةَ لَمَّا خَرَجَتْ وَهُوَ مَعَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضي الله عنه قَالُوا لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ قَالَ عَلِيٌّ رضي الله عنه: كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيْدَ بِهَا بَاطِلٌ. إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم وَصَفَ نَاسًا. إِنِّي لَأَعْرِفُ صِفَتَهُمْ فِي هٰؤُلَاءِ يَقُوْلُوْنَ الْحَقَّ بِأَلْسِنَتِهِمْ لَا

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴: ۲۲۷، رقم: ۴۰۵۱
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۲۲۷

يَجُوْزُ هٰذَا، مِنْهُمْ. (وَاَشَارَ اِلٰى حَلْقِهِ) مِنْ اَبْغَضِ خَلْقِ اللهِ إِلَيْهِ مِنْهُمْ أَسْوَدُ. إِحْدٰى يَدَيْهِ طُبْيُ شَاةٍ أَوْ حَلَمَةُ ثَدْيٍ. فَلَمَّا قَتَلَهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ رضی الله عنه قَالَ انْظُرُوْا فَنَظَرُوْا فَلَمْ يَجِدُوْا شَيْئًا. فَقَالَ: ارْجِعُوْا فَوَاللهِ مَا كَذَبْتُ وَلَا كُذِّبْتُ مَرَّتَيْنِ اَوْثَلَاثًا ثُمَّ وَجَدُوْهُ فِيْ خَرِبَةٍ. فَأَتَوْا بِهٖ حَتّٰى وَضَعُوْهُ بَيْنَ يَدَيْهِ. قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: وَ أَنَا حَاضِرٌ ذٰلِكَ مِنْ أَمْرِهِمْ. وَ قَوْلِ عَلِيٍّ فِيْهِمْ۔(۱)

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام حضرت عبد اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حروریہ کا جس وقت ظہور ہوا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اُن (خوارج) نے کہا اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ حق بات ہے جس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ نشانیاں بتلائی تھیں جنہیں میں بخوبی جانتا ہوں اور ان لوگوں میں وہی نشانیاں پائی جاتی ہیں، وہ اپنی زبانوں سے حق کہتے ہیں اور حق اس سے (یعنی ان کے حلق سے) نیچے نہیں اُترتا۔ عبید نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کرکے دکھایا اور کہا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے مبغوض ترین ہیں، ان میں سے ایک شخص سیاہ رنگ کا ہے جس کا ہاتھ بکری کے تھن یا عورت کے پستان کے سر کی طرح ہے۔ جب حضرت علی ان سے قتال کر چکے تو فرمایا اس آدمی کی تلاش کرو اسے ڈھونڈا گیا مگر وہ نہیں ملا، فرمایا اس کو پھر جا کر تلاش کرو، بخدا میں نے نہ جھوٹ بولا ہے نہ مجھے جھوٹ بتایا گیا ہے، یہ بات انہوں نے دو یا تین بار کہی حتی کہ لوگوں نے اس کو ایک کھنڈر میں ڈھونڈ نکالا اور اس کی لاش لاکر حضرت علی کے سامنے رکھ دی۔ عبید اللہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر میں وہاں موجود تھا۔‘‘

۲۔ امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) کتاب المحاربہ میں خوارج سے متعلق روایت نقل

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، ۲: ۷۴۸، رقم: ۱۰۶۶

کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں::

عَنْ شَرِيْکِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ: كُنْتُ أَتَمَنَّى أَنْ أَلْقَى رَجُلاً مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَسْأَلُهُ عَنِ الْخَوَارِجِ، فَلَقِيْتُ أَبَا بَرْزَةَ فِي يَومِ عِيْدٍ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقُلْتُ لَهُ: هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَذْكُرُ الْخَوَارِجَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ بِأُذُنِي وَرَأَيْتُهُ بِعَيْنِي أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمَالٍ فَقَسَمَهُ، فَأَعْطَى مَنْ عَنْ يَمِيْنِهِ وَ مَنْ عَنْ شِمَالِهِ، وَلَمْ يُعْطِ مَنْ وَرَاءَهُ شَيْئًا، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ وَرَائِهِ. فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، مَا عَدَلْتَ فِي الْقِسْمَةِ، رَجُلٌ أَسْوَدُ مَطْمُومُ الشَّعْرِ، عَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَبْيَضَانِ (وَزَادَ أَحْمَدُ: بَيْنَ عَيْنَيْهِ أَثَرُ السُّجُودِ)، فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ غَضَبًا شَدِيْدًا، وَ قَالَ: وَاللهِ، لَا تَجِدُوْنَ بَعْدِي رَجُلًا هُوَ أَعْدَلُ مِنِّي، ثُمَّ قَالَ: يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ كَأَنَّ هَذَا مِنْهُمْ (وَ فِي رِوَايَةٍ: قَالَ: يَخْرُجُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ رِجَالٌ كَانَ هَذَا مِنْهُمْ هَدْيُهُمْ هَكَذَا) يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، سِيْمَاهُمُ التَّحْلِيْقُ، لَا يَزَالُوْنَ يَخْرُجُونَ حَتَّى يَخْرُجَ آخِرُهُمْ مَعَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ، فَإِذَا لَقِيْتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ، هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيْقَةِ۔(۱)

وَقَالَ الْحَاكِمُ: هَذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ. وَ رِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيْحِ كَمَا

(۱) ۱۔ نسائي، السنن، كتاب تحريم الدم، باب من شهر سيفه ثم وضعه في الناس، ۷:۱۱۹، الرقم:۴۱۰۳

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۲:۳۱۲، الرقم: ۳۵۶۶

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴:۴۲۱

۴۔ بزار، المسند، ۹:۲۹۴، ۳۰۵، الرقم: ۳۸۴۶

۵۔ حاكم، المستدرك، ۲:۱۶۰، الرقم: ۲۶۴۷

۶۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷:۵۵۹، الرقم: ۳۷۹۱۷

قَالَ الْهَيْثَمِيُّ.

’’حضرت شریک بن شہاب نے بیان کیا کہ مجھے اس بات کی خواہش تھی کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے کسی صحابی سے ملوں اور ان سے **خوارج** کے متعلق دریافت کروں۔ اتفاقاً میں نے عید کے روز حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کو آپ کے کئی دوستوں کے ساتھ دیکھا میں نے دریافت کیا: کیا آپ نے خارجیوں کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ وہ فرمانے لگے: ہاں، میں نے اپنے کانوں سے سنا اور آنکھوں سے دیکھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں کچھ مال پیش کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس مال کو ان لوگوں میں تقسیم فرما دیا جو دائیں اور بائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے اور جو لوگ پیچھے بیٹھے تھے آپ ﷺ نے انہیں کچھ عنایت نہ فرمایا چنانچہ ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا، اے محمد (ﷺ)! آپ نے انصاف سے تقسیم نہیں کی۔ وہ سیاہ رنگ، سر منڈا اور سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا (اور امام احمد بن حنبل نے اضافہ کیا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) سجدوں کا نشان تھا)۔ حضور نبی اکرم ﷺ شدید ناراض ہوئے اور فرمایا: خدا کی قسم! تم میرے بعد مجھ سے بڑھ کر کسی کو انصاف کرنے والا نہ پاؤ گے، پھر فرمایا: آخری زمانے میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے یہ شخص بھی انہیں لوگوں میں سے ہے (اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مشرق کی طرف سے ایک قوم نکلے گی یہ آدمی بھی ان لوگوں میں سے ہے اور ان کا طور طریقہ بھی یہی ہوگا) وہ قرآن مجید کی تلاوت کریں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ سر منڈے ہوں گے یہ لوگ ہمیشہ نکلتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری گروہ دجال کے ساتھ نکلے گا جب تم ان سے ملو تو انہیں قتل کردو۔ وہ تمام مخلوق سے بدترین ہیں۔‘‘

۳۔ امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) باب الخوارج شر الخلق والخليقة کے ذیل میں خوارج کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ يُسَيْرِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: سَأَلْتُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ رضی الله عنه هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صلی الله عليه وآله وسلم يَذْكُرُ الْخَوَارِجَ؟ فَقَالَ: سَمِعْتُهُ وَ أَشَارَ بِيَدِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ قَوْمٌ يَقْرَءُ وْنَ الْقُرْآنَ بِأَلْسِنَتِهِمْ لَا يَعْدُوْا تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ۔(۱)

”یُسیر بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خوارج کا ذکر سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! میں نے سنا ہے اور اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کرکے کہا: وہ اپنی زبانوں سے قرآن مجید پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نہیں اترے گا اور دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے۔“

۴۔ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) آیت وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُوْنَ (۲) کے تحت خوارج کو شریر ترین مخلوق قرار دیتے ہوئے درج ذیل روایت بیان کرتے ہیں۔

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الخوارج شر الخلق و الخليقة، ۲: ۷۵۰، رقم: ۱۰۶۸،
۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب التوحيد، باب قراءة الفاجر و المنافق و أصواتهم و تلاوتهم لا تجاوز حناجرهم، ۶: ۲۷۴۸، رقم: ۷۱۲۳،
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۶۴، رقم: ۱۱۶۳۲، ۳: ۴۸۶
۴۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۵۶۳، رقم: ۳۷۳۹۷
۵۔ أبو يعلى، المسند، ۲: ۴۰۸، رقم: ۱۱۹۳
۶۔ طبراني، المعجم الكبير، ۶: ۹۱، رقم: ۵۶۰۹
۷۔ ابن أبي عاصم، السنة، ۲: ۴۹۰، رقم: ۹۰۹
(۲) القرآن، التوبه، ۹: ۱۱۵

وَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضي الله عنهما يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللهِ، وَ قَالَ: إِنَّهُمُ انْطَلَقُوا إِلَی آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْکُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَی الْمُؤْمِنِيْنَ۔(۱)

و قال العسقلاني في الفتح: و صله الطبري في مسند علي من تهذيب الآثار من طريق بکير بن عبد الله بن الأشج: أَنَّهُ سَأَلَ نَافِعًا کَيْفَ کَانَ رَأَی ابْنُ عُمَر فِي الْحَرُوْرِيَّةِ؟ قَالَ: کَانَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللهِ، انْطَلَقُوا إِلَی آيَاتِ الْکُفَّارِ فَجَعَلُوهَا فِي الْمُؤْمِنِيْنَ۔(۲)

’’اور ابن عمر رضی اللہ عنہما ان (خوارج) کو اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق سمجھتے تھے۔ (کیونکہ) انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وہ آیات کو جو کفار کے حق میں نازل ہوئی تھیں اُن کا اِطلاق مومنین پر کرنا شروع کر دیا۔

امام عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) ’’فتح الباری‘‘ میں بیان کرتے ہیں کہ امام طبریؒ نے اس حدیث کو تہذیب الآثار سے بکیر بن عبد اللہ بن اُشج کے طریق سے مسند علی رضی اللہ عنہ میں شامل کیا ہے کہ ’’انہوں نے نافع سے پوچھا کہ عبد اللہ بن عمر رضی

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب استتابة المرتدين و المعاندين و قتالهم، باب قتل الخوارج و الملحدين بعد إقامة الحجة عليهم، ۶: ۲۵۳۹

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب الخوارج شر الخلق والخليقة، ۲: ۷۵۰، رقم: ۱۰۶۷

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب السنة، باب في قتال الخوارج، ۴: ۲۴۳، رقم: ۴۷۶۵

۴۔ نسائي، السنن، کتاب تحريم الدم، باب من شهر سيفه ثم وضعه في الناس، ۷: ۱۱۹، رقم: ۴۱۰۳

۵۔ ابن ماجة، المقدمة، باب في ذکر الخوارج، ۱: ۶۰، رقم: ۱۷۰

۶۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۵، ۲۲۴، رقم: ۱۱۱۳۳

۷۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۵: ۳۸۷، رقم: ۶۹۳۹

(۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۲: ۲۸۶، رقم: ۶۵۳۲

اللہ عنہما کی حروریہ (خوارج) کے بارے میں کیا رائے تھی؟ تو انہوں نے فرمایا: وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے بدترین لوگ خیال کرتے تھے۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ان آیات کو لیا جو کفار کے حق میں نازل ہوئیں تھیں اور ان کا اِطلاق مومنین پر کیا‘‘

۵۔ **امام نسائیؒ** (۳۰۳ھ) السنن الکبریٰ میں خوارج کی گمراہی کا تذکرہ کرتے ہوئے درج ذیل روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ طَارِقِ بْنِ زِيَادٍ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ إِلَى الْخَوَارِجِ فَقَتَلَهُمْ، ثُمَّ قَالَ: انْظُرُوا فَإِنَّ نَبِيَّ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: إِنَّهُ سَيَخْرُجُ قَوْمٌ يَتَكَلَّمُونَ بِالْحَقِّ لَا يُجَاوِزُ حَلْقَهُمْ، يَخْرُجُونَ مِنَ الْحَقِّ كَمَا يَخْرُجُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ ...... الحديث۔(۱)

’’حضرت طارق بن زیادؒ نے بیان کیا کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خوارج کی طرف (ان سے جنگ کے لیے) نکلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کیا پھر فرمایا: دیکھو بیشک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: عنقریب ایسے لوگ نکلیں گے کہ حق کی بات کریں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی وہ حق سے یوں نکل جائیں گے جیسے کہ تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔‘‘

۶۔ **علامہ ابنِ جریر طبریؒ** (۳۱۰ھ) تاریخ الاُمم و الملوک میں خوارج کے اِفتراق و اِنتشار، فتنہ انگیزی اور صحابہ دشمنی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ أَبِي حُرَّةِ: أَنَّ عَلِيًّا رضی اللہ عنہ لَمَّا بَعَثَ أَبَا مُوسَى لِإِنْفَاذِ الْحُكُومَةِ، اجْتَمَعَ الْخَوَارِجُ فِي مَنْزِلِ عَبْدِ اللهِ بْنِ وَهَبِ

(۱) نسائي، السنن الكبرى، ۵: ۱۶۱، رقم: ۸۵۶۶
أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۰۷، رقم: ۸۴۸
خطيب بغدادی، تاريخ بغداد، ۱۴: ۳۶۲، رقم: ۷۶۸۹

الرَّاسِبِيّ مِنْ رُؤُوسِ الْخَوَارِجِ، فَخَطَبَهُمْ خُطْبَةً بَلِيْغَةً زَهَّدَهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا وَ رَغَّبَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَالْجَنَّةِ وَ حَثَّهُمْ عَلَى الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ ثُمَّ قَالَ: فَاخْرُجُوا بِنَا إِخْوَانِنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا إِلَى جَانِبِ هَذَا السَّوَادِ إِلَى بَعْضِ كُوَرِ الْجِبَالِ أَوْ بَعْضِ هَذِهِ الْمَدَائِنِ مُنْكِرِيْنَ لِهَذِهِ الْبِدَعِ الْمُضِلَّةِ......ثُمَّ اجْتَمَعُوا فِي مَنْزِلِ شُرَيْحِ بْنِ أَوْفَى الْعَبَسِيّ فَقَالَ ابْنُ وَهَبٍ: اشْخَصُوا بِنَا إِلَى بَلْدَةٍ نَجْتَمِعُ فِيْهَا لِإِنْفَاذِ حُكْمِ اللهِ فَإِنَّكُمْ أَهْلُ الْحَقِّ۔(۱)

’’عبدالملک نے ابوحرہ سے روایت بیان کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ (اشعری رضی اللہ عنہ) کو (اپنا گورنر بنا کر) نفاذِ حکومت کے لئے بھیجا تو خوارج عبداللہ بن وہب راسبی (خارجی سردار) کے گھر میں جمع ہوئے۔ اس نے انہیں بلیغ خطبہ دیا جس میں انہیں اس دنیا سے بے رغبتی اور آخرت اور جنت کی رغبت دلائی اور انہیں اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر اُبھارا۔ پھر کہا: ہمارے لئے ضروری ہے ہم پہاڑوں یا دوسرے شہروں کی طرف نکل جائیں تاکہ ان گمراہ کرنے والی بدعتوں سے ہمارا انکار ثابت ہوجائے...... پھر سب شریح بن ابی اوفی عبسی کے گھر جمع ہوئے تو ابن وہب نے کہا: اب کوئی شہر ایسا دیکھنا چاہیے کہ (اسے اپنا مرکز بنا کر) ہم سب اسی میں جمع ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم جاری کریں۔ کیونکہ اہلِ حق اب تم ہی لوگ ہو۔‘‘

۷۔ **علامہ ابنِ جریر طبریؒ** خوارج کی گستاخیوں، زبان درازیوں اور اِن کے صحابہ رضی اللہ عنہم

(۱) ۱۔ طبری، تاریخ الأمم والملوك، ۳: ۱۱۵

۲۔ ابن أثير، الكامل فی التاريخ، ۳: ۲۱۳۔ ۲۱۴

۳۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۷: ۲۸۵۔ ۲۸۶

۴۔ ابن جوزي، المنتظم في تاريخ الملوك والأمم، ۵: ۱۳۰۔ ۱۳۱

پر لگائے گئے کفریہ فتووں کا تذکرہ کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى الْخَوَارِجِ بِالنَّهْرِ: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيْمِ، مِنْ عَبْدِ اللهِ عَلِيٍّ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِلَى زَيْدِ بْنِ حُصَيْنٍ وَ عَبْدِ اللهِ بْنِ وَهْبٍ وَ مَنْ مَعَهُمَا مِنَ النَّاسِ. أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ هَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ اللَّذَيْنِ ارْتَضَيْنَا حَكَمَيْنِ قَدْ خَالَفَا كِتَابَ اللهِ وَاتَّبَعَا هَوَاهُمَا بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللهِ فَلَمْ يَعْمَلَا بِالسُّنَّةِ وَلَمْ يُنْفِذَا الْقُرْآنَ حُكْمًا فَبَرِىءَ اللهُ مِنْهُمَا وَ رَسُوْلُهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، فَإِذَا بَلَغَكُمْ كِتَابِي هَذَا فَأَقْبِلُوا إِلَيْنَا فَإِنَّا سَائِرُوْنَ إِلَى عَدُوِّنَا وَ عَدُوِّكُمْ وَ نَحْنُ عَلَى الْأَمْرِ الْأَوَّلِ الَّذِي كُنَّا عَلَيْهِ.

فَكَتَبُوا (الخوارج) إِلَيْهِ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّكَ لَمْ تَغْضَبْ لِرَبِّكَ وَ إِنَّمَا غَضِبْتَ لِنَفْسِكَ فَإِنْ شَهِدْتَ عَلَى نَفْسِكَ بِالْكُفْرِ وَاسْتَقْبَلْتَ التَّوْبَةَ نَظَرْنَا فِيْمَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ وَ إِلَّا فَقَدْ نَبَذْنَاكَ عَلَى سَوَاءٍ، إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ.

فَلَمَّا قَرَأَ كِتَابَهُمْ أَيِسَ مِنْهُمْ وَرَأَى أَنْ يَدَعَهُمْ وَ يَمْضِيَ بِالنَّاسِ حَتَّى يَلْقَى أَهْلَ الشَّامِ حَتَّى يَلْقَاهُمْ۔(١)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے خوارج کو نہروان سے خط لکھا: ”اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے: اللہ کے بندے امیر المؤمنین علی کی طرف سے زید بن حصین اور عبداللہ بن وہب اور ان کے پیروکاروں کے لئے۔ واضح ہو کہ یہ دو شخص جن کے فیصلہ پر ہم راضی

(١) ١۔ابن جرير طبري، تاريخ الأمم والملوك، ٣:١١٧
٢۔ابن أثير، الكامل فی التاريخ، ٣:٢١٦
٣۔ابن كثير، البداية والنهاية، ٧:٢٨٧
٤۔ابن جوزي، المنتظم في تاريخ الملوك والأمم، ٥:١٣٠۔١٣١

ہوئے تھے انہوں نے کتاب اللہ کے خلاف کیا اور اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ جب انہوں نے قرآن و سنت پر عمل نہیں کیا تو اللہ اور اللہ کا رسول اور سب اہل ایمان ان سے بری ہوگئے۔ تم لوگ اس خط کو دیکھتے ہی ہماری طرف چلے آؤ تاکہ ہم اپنے اور تمہارے دشمن کی طرف نکلیں اور ہم اب بھی اپنی اسی پہلی بات پر قائم ہیں۔

اس خط کے جواب میں انہوں (یعنی خوارج) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''واضح ہو کہ اب تمہارا غضب اللہ کے لئے نہیں ہے اس میں نفسانیت شریک ہے اب اگر تم اپنے کفر پر گواہ ہو جاؤ (یعنی کافر ہونے کا اِقرار کرلو) اور نئے سرے سے توبہ کرتے ہو تو دیکھا جائے گا ورنہ ہم نے تمہیں دور کردیا کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔''

سو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا جوابی خط پڑھا تو ان کی طرف سے (ہدایت کی طرف لوٹنے سے) مایوس ہوگئے لہٰذا انہیں ان کے حال پر چھوڑنے کا فیصلہ کرکے اپنے لشکر کے ساتھ اہل شام سے جا ملے۔''

اب ''مُحدثاتُ الأُمور'' کس سطح کے اُمور کو کہا جائے گا؟

اِن احادیثِ مبارکہ اور آثار و روایات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ''محدثات الامور'' سے مراد ایسے فتنے ہیں جو اِرتداد پر مبنی ہوں اور دین کی بنیادی تعلیمات کو مسخ کرنے یا ان سے اِنکار کا موجب ہوں۔ لہٰذا بدعاتِ ضلالۃ سے مراد ہرگز ہرگز چھوٹے اور ہلکی نوعیت کے اِختلافات نہیں بلکہ اِن سے مراد اس سطح کے فتنے ہیں کہ ان میں سے ہر فتنہ ''خروج عن الاسلام'' اور ''ارتداد'' کا باعث بنے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور امرِ دین کو منقطع کرے اور ''اِختلافِ کثیر'' بن کر اُمت کے اِتحاد کو پارہ پارہ کر دے، مثلاً اگر کوئی شخص دین کے بنیادی عقائد (ایمان باللہ، ملائکہ، سابقہ نازل شدہ کتب، انبیاء، یوم آخرت، تقدیر اور حیات بعد از موت پر اِیمان) میں سے کسی کا اِنکار،

اِسلام کے ارکانِ خمسہ (ایمان باللہ والرسول، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ) میں سے کسی کا اِنکار، یا اَرکانِ اسلام میں کمی یا زیادتی، ختمِ نبوت کا اِنکار، تحریفِ قرآن (کمی یا زیادتی)، سنت کا اِنکار، کسی خارجی فتنہ کی طرح باطل مسلک کی بنیاد، جہاد کی منسوخی، سود کا جواز وغیرہ کا باطل عقیدہ گھڑ لے اور اِس کا پرچار کرے تو اِن فتنوں کو قیامت تک کے لیے دین میں بدعاتِ ضلالۃ کہیں گے، اور یہی ایسے فتنے ہیں جن کے ماننے والوں اور پیروکاروں کو جہنم کا اِیندھن قرار دیا گیا ہے۔

بدعت اور **محدثات الأمور** پر کی جانے والی اِس بحث سے یہ نتیجہ اَخذ ہوتا ہے کہ احداث فی الدین سے مراد دین میں ایسا فتنہ پیدا کرنا ہے جو باعثِ اِرتداد ہو، یہی بدعت ضلالت ہے، اَحادیثِ مبارکہ میں اسی بدعتِ ضلالت کو جہنم کا ایندھن کہا گیا ہے۔ لہٰذا بدعت کو دیگر ہلکے اور فروعی نوعیت کے اُمور پر محمول کرنا جہالت اور گمراہی ہے۔ اس سے مراد فقط فتنۂ اِرتداد اور اس کی مختلف شکلیں ہیں جو حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد پیدا ہوئیں یا مختلف اَدوار میں بعد میں پیدا ہوں گی۔ بصورتِ دیگر اس پر بدعتِ ضلالۃ کا اِطلاق دین سے مذاق کرنے کے مترادف ہوگا۔ پس آج بھی کسی اَمر یا معاملہ پر بدعتِ ضلالۃ کا اِطلاق کرنے کے لیے اِرتداد ہی ایسا قاعدہ اور کلیہ ہے جس پر کسی بھی اَمر کو پرکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بدعت ضلالت میں شمار ہوتی ہے یا نہیں؟

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے فروعی اور نزاعی مسائل مثلاً میلاد، عرس، اِیصال ثواب وغیرہ کو بدعات و گمراہی اور "**محدثات الامور**" نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اِن سے نہ تو **خروج عن الاسلام** لازم آتا ہے اور نہ ہی اِرتداد، بلکہ یہ اَصلاً شریعت سے ثابت ہیں۔ جبکہ "**محدثات الامور**" ان فتنوں کو کہا گیا ہے جن کی وجہ سے اُمت میں اِختلافِ کثیر پیدا ہوا، اور اُمت آپس میں بٹ گئی حتی کہ الگ الگ لشکر بنے، جنگیں ہوئیں اور ہزاروں افراد ان فتنوں کے باعث شہید ہوئے۔ تعجب اور افسوس ہے ان لوگوں پر جنھوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد اور اِیصالِ ثواب وغیرہما جیسے اعمال کو محدثات الامور اور بدعات ضلالۃ قرار دیا ہے۔ کوئی اِن اُمور پر اِعتقاد رکھے یا نہ رکھے یہ

اس کی صوابدید ہے، لیکن اِن کو دین میں بدعت قرار دینا آپ ﷺ کی بیان کردہ تعریف سے اِنکار، حدیث سے اِنکار اور جسارت علی الرسول ہے۔ **لیس علیه أمرنا**(۱) کا بھی یہی معنی ہے، یہ أعمالِ خیر درحقیقت دین کے اندر اُمورِ مستحبات ہیں۔ فقہاء کے درمیان ہزاروں اختلافات ہیں، کسی مسئلہ میں مستحب و مکروہ حتی کہ حلت و حرمت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اِن اُمورِ مستحبات کو بدعات کہنا اور اِن پر اِرتداد اور کفر و شرک کا فتویٰ لگانا گویا حضور نبی اکرم ﷺ کی بیان کردہ تعریف سے اِنحراف کرنا ہے۔ مرتدین کے خلاف قتال کرنا تو جہاد ہے، کیا فتویٰ لگانے والے اِن اُمور کا اِعتقاد رکھنے والوں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں؟ یہ اِن کے لیے ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب البیوع، باب النجش، ۲: ۷۵۳، رقم: ۲۰۳۵

۲۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۴۳، کتاب الاقضیہ، باب نقض الاحکام الباطلة، رقم: ۱۷۱۸

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۸۰، رقم: ۲۵۵۱۱

۴۔ دار قطنی، السنن، ۴: ۲۲۷، رقم: ۸۱

۵۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۱: ۴۴، رقم: ۷۷

۶۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱: ۶۵

باب: ۴

مباح بدعت کی قبولیت اور قرآن

۱۔ وَ رُهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا

۲۔ مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ

۳۔ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللهِ

۴۔ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا

۵۔ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ

تصور بدعت سے متعلق دو اہم امور

۱۔ رضائے الٰہی کی خاطر کیا گیا نیا کام مطلقًا ناجائز نہیں

غلط فہمی کے نتائج

۲۔ بدعتِ حسنہ کے مقاصد کا حصول ضروری ہے

شریعتِ اسلامی اور فلسفۂ حلال وحرام

محض ’’بدعت‘‘ کہنے سے کوئی چیز غیر مشروع نہیں ہوتی

یہ ایک تسلیم شدہ اَمر ہے کہ ہر بدعت قرآن و حدیث کی تعلیمات سے متصادم و متناقض نہیں ہوتی بلکہ بے شمار بدعات اَیسی ہیں جو نہ تو کتاب و سنت کے خلاف ہیں اور نہ ہی روحِ شریعت کے منافی۔ انہیں بدعاتِ مباحہ (Permissible Innovations) کہتے ہیں۔ اگر نفسِ مسئلہ کو نظر اَنداز کرکے ہر نئے کام کو بغیر اس کی ماہیئت، افادیت، مقصدیت اور مشروعیت کے تجزیئے کے بدعت قرار دے کر مذموم تصور کرلیا جائے تو عہدِ خلافتِ راشدہ سے لے کر آج تک لاکھوں شرعی، اجتہادی اور اجتماعی فیصلے، اَحکام، مذہبی رسوم اور معاملات معاذ اللہ ضلالت و گمراہی قرار پائیں گے اور ہمیشہ کے لئے دینی معاملات میں اِجتہاد و اِستحسان اور مصالح و اِستصلاح کا دروازہ بند ہو جائے گا، جس سے لامحالہ بدلتے ہوئے حالات میں اِسلام کا قابلِ عمل ہونا بھی ناممکن ہوگا۔ پس اگر کوئی عمل نہ قرآن میں مذکور ہو اور نہ ہی رسول ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہو اور بعد اَزاں اُمت کے صلحاء و علماء از خود کسی نئے عمل یعنی ''بدعت مباحہ'' کو وقت کی ضرورت سمجھ کر اپنالیں لیکن اس کا محرک رضائے الٰہی کا حصول ہو تو إنما الأعمال بالنّیات[1] کے تحت یہ بدعت بھی عنداللہ مقبول اور باعث اَجر و ثواب قرار پا جائے گی، اسی کو بدعتِ حسنہ یا امرِ مستحسن کہتے ہیں۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۳، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ، رقم: ۱

۲۔ ابوداؤد، السنن، ۲: ۲۷۲، کتاب الطلاق، باب فیما عنٰی به الطلاق والنیات رقم: ۲۲۰۱

۳۔ ابن ماجه، السنن، ۲: ۱۴۱۳، کتاب الزھد، باب النیة، رقم: ۴۲۲۷

←

سورہ الحدید میں باری تعالیٰ نے اِذنِ اِلٰہی کے بغیر کسی بدعت کو اِیجاد کرنے، عند اللہ اس کی مقبولیت اور اس پر اَجر وثواب کے حوالے سے اِرشاد فرمایا:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ وَ جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً وَ رَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ ـ(۱)

’’پھر ہم نے ان رسولوں کے نقوشِ قدم پر (دوسرے) رسولوں کو بھیجا اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابنِ مریم (علیہ السلام) کو بھیجا اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی اور ہم نے اُن لوگوں کے دلوں میں جو اُن کی (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح) پیروی کر رہے تھے شفقت اور رحمت پیدا کر دی۔ اور رہبانیت (یعنی عبادتِ الٰہی کے لئے ترکِ دنیا اور لذّتوں سے کنارہ کشی) کی بدعت انہوں نے خود اِیجاد کر لی تھی، اسے ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا تھا، مگر (انہوں نے رہبانیت کی یہ بدعت) محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے (شروع کی تھی) پھر اس کی عملی نگہداشت کا جو حق تھا وہ اس کی ویسی نگہداشت نہ کر سکے (یعنی اسے اسی جذبہ اور پابندی سے جاری نہ رکھ سکے)، سو ہم نے اُن لوگوں کو جو ان میں سے ایمان لائے (اور بدعتِ رہبانیت کو رضائے اِلٰہی کے لئے جاری رکھے ہوئے)

------- ۴۔ ابونعیم، مسند الامام ابی حنیفة، ۱ : ۲۶۹

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۱۱۳، رقم: ۳۸۸

۶۔ طیالسی، المسند، ۱ : ۹، رقم: ۳۷

۷۔ ربیع، المسند، ۱: ۲۳، رقم: ۱

۸۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱ : ۱۴۱، رقم: ۱۸۱

۹۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۱: ۱۷، رقم: ۴۰

(۱) القرآن، الحدید، ۵۷:۲۷

تھے، اُن کا اَجر و ثواب عطا کر دیا اور ان میں سے اکثر لوگ (جو اس کے تارک ہوگئے اور بدل گئے) بہت نافرمان ہیں‘‘۔

اس آیہ کریمہ میں قرآن و سنت کے کسی حکم کے بغیر از خود کسی بدعت کو ایجاد کرنا، اس پر عمل پیرا ہونا اور پھر عنداللہ اس کے مقبول ہوجانے کے بارے میں چند اہم نکات ہیں جنہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ وَ رَهْبَانِيَّةَنِ ابْتَدَعُوْهَا

آیت کے الفاظ میں ’’ابتَدَعُوْهَا‘‘ بدعت سے مشتق ہیں۔ یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ دینِ عیسوی میں اَصلاً رہبانیت فرض نہ کی گئی تھی۔ اس کا تعلیماتِ مسیح میں سرے سے کوئی ذکر ہی نہ تھا۔ بعد کے لوگوں نے اسے از خود وصول اِلی اللہ اور قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہوئے بدعت کے طور پر ایجاد کرلیا تھا۔

۲۔ مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ

یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ عملِ رہبانیت لوگوں نے بغیر کسی حکم کے شروع کرلیا تھا اور دوسری بات اس سے یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت نے دینِ عیسوی میں رہبانیت کی فرضیت یا وجود کی تو نفی کی ہے مگر اس کی مشروعیت کی نفی نہیں کی یعنی اس کو حرام یا ناجائز نہیں کیا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ’’**لا رهبانية في الاسلام**‘‘(۱) یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ پہلی شریعت میں رہبانیت موجود تھی اور یہ عمل مشروع تھا۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ پہلی شریعت میں رہبانیت

---

(۱) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۱۱۱
۲۔ سیوطی، شرح سنن ابن ماجه، ۱: ۲۸۹، رقم: ۴۰۱۰
۳۔ عجلونی، كشف الخفاء، ۲: ۵۱۰، رقم: ۳۱۵۴
۴۔ شوكانی، نيل الأوطار، ۶: ۲۳۱

کہاں سے آئی، جبکہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ''مَا کَتَبۡنٰهَا عَلَيۡهِمۡ ''کہ میں نے تو اسے کسی شریعت میں نازل ہی نہیں کیا۔ اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ ہر وہ حکم جو منزل من اللہ یا مقرر من الرسول نہ تھا اور اس کی ممانعت پر کوئی حکم بھی نہیں تھا تو وہ مقاصدِ حسنہ اور نیک نیتی کی وجہ سے مستحسنات میں داخل ہوگیا اور اسے شریعت میں جگہ مل گئی اسی طرح رہبانیت بھی اللہ ﷻ کا حکم نہ ہونے کے باوجود بدعت حسنہ ہونے کی وجہ سے شریعت میں داخل ہوگئی لہٰذا اس پر اَجر وثواب متحقق ہوگیا۔

۳۔ اِلَّا ابۡتِغَاءَ رِضۡوَانِ اللهِ

دینِ مسیحی پر کاربند لوگوں نے یہ بدعت رضائے الٰہی کے حصول کے لئے زیادہ ریاضت و مجاہدہ اور عبادت و مشقت کے مطمحِ نظر سے اِختیار کی تھی۔ چونکہ یہ کام نیک نیتی کے طور پر کیا گیا اس لئے باری تعالیٰ نے اسے قبول کر لیا۔ پس ثابت ہوا کہ اگر کوئی عمل فی نفسہٖ ''بدعت'' ہی ہو وہ پھر بھی رضائے اِلٰہی کے حصول کا باعث بن سکتا ہے اور نیک نیتی کی وجہ سے عمل مقبول ہوسکتا ہے یہیں سے ''بدعت حسنہ'' کا تصور اُبھرتا ہے۔

۴۔ فَمَا رَعَوۡهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا

اس مبنی بر اخلاص ''بدعت'' کو اختیار کرنے کے بعد ضروری تھا کہ رہبانیت کے جملہ تقاضے کما حقہ پورے کئے جاتے تاکہ اس سے صحیح روحانی فوائد میسر آتے لیکن ان میں سے اکثر اَفراد بالالتزام ان تقاضوں کو پورا نہ کر سکے اس لئے انہیں نافرمان قرار دیا گیا۔

۵۔ فَاٰتَيۡنَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡهُمۡ اَجۡرَهُمۡ

جن افراد نے اِہتمام کے ساتھ اس بدعتِ حسنہ (رہبانیت) کے تقاضوں کو پورا کیا اللہ تعالیٰ نے اِن کی محنت قبول کی اور انہیں اَجر و ثواب سے نوازا۔ اگر رہبانیت کی بدعت فی نفسہ ناجائز ہوتی تو کبھی بھی اللہ کی طرف سے اس پر اجر وثواب عطا نہ کیا جاتا۔

تصورِ بدعت سے متعلق دو اہم امور

سورۃ الحدید کی مذکورہ آیت پر فکرو تدبُّر کرنے سے درج ذیل دو اہم امور پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ رضائے الٰہی کی خاطر کیا گیا نیا کام مطلقاً ناجائز نہیں

۲۔ بدعتِ حسنہ کے مقاصد کا حصول ضروری ہے

اِنہیں دو مقاصد کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے **علامہ سید محمود آلوسیؒ** (۱۲۷۰ھ) مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وليس فى الآية مايدلّ على ذمّ البدعة مطلقا، والّذى تدلّ عليه ظاهراً ذم عدم رعاية ما التزموه۔(۱)

''آیت میں بدعت کی مطلقاً مذمت نہیں کی گئی بلکہ ظاہری طور پر جو مذمت کی گئی ہے وہ رھبانیت کے حقوق کے عدمِ اِلتزام کی وجہ سے ہے۔''

علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) کے نزدیک بھی بدعت فقط اُن اُمور کو کہیں گے جن کی کوئی اَصل یا نظیر کتاب و سنت میں نہ ہو، لیکن جن نئے اُمور کی کوئی اَصل یا دلیل شریعت میں موجود ہو تو اسے بدعت نہیں کہیں گے بلکہ وہ عمل اپنی اَصل میں مباح اور جائز ہوگا۔ جامع العلوم و الحکم میں بدعت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المراد بالبدعة ما أُحدث ممّا لا أصل له فى الشّريعة يدلّ عليه وأما ما كان له أصل من الشّرع يدلّ عليه فليس ببدعة شرعاً وإن كان بدعة لغة۔(۲)

''بدعت سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو جو

(۱) آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی، ۱۴: ۱۹۲

(۲) ۱۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱: ۲۵۲

اس پر دلالت کرے لیکن ہر وہ معاملہ جس کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لُغوی اعتبار سے بدعت ہو گا۔‘‘

ا۔ رضائے الٰہی کی خاطر کیا گیا نیا کام مطلقاً ناجائز نہیں

اگر رضائے الٰہی کی خاطر کوئی نیا کام جسے عرف عام میں ’’بدعت‘‘ کہتے ہیں، کیا جائے جو فی نفسہٖ خلافِ شریعت نہ ہو تو اسلام اس کو قبول کرتا ہے۔ اَمرِ مستحسن کے طور پر اس کام پر اَجر و ثواب اور فوائد و برکات بھی متحقق ہوتے ہیں۔ اَیسے اُمور شریعت میں مشروع حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو مطلقاً ناجائز سمجھنا زیادتی ہے۔ اَیسے نئے اُمور لغوی اِعتبار سے تو بدعت ہی ہوں گے کیونکہ یہ براہِ راست قرآن و سنت سے ثابت نہیں ہوتے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر نیا کام اَز روئے شرع اس لئے ناجائز اور حرام ہوگا کہ وہ نیا ہے؟

اس حوالے سے ہم سابقہ صفحات میں بخوبی واضح کر چکے ہیں کہ اگر شرعی اُصولوں کا معیار یہ قرار پا جائے تو تعلیماتِ دین اور شریعت کا بیشتر حصہ ناجائز کے زمرے میں آجائے گا، اس طرح اِجتہاد کی ساری صورتیں اور قیاس، اِستحسان، اِستنباط اور اِستدلال وغیرہ کی جملہ شکلیں ناجائز کہلائیں گی۔ اسی طرح دینی علوم و فنون مثلاً اُصولِ تفسیر و حدیث، فقہ و اُصولِ فقہ، ان کی تدوین و تدریس، اِن کو سمجھنے کے لئے صرف و نحو، معانی، منطق و فلسفہ اور دیگر معاشرتی و معاشی علوم جو فہمِ دین کے لئے ضروری اور عصری تقاضوں کے مطابق لابدی ہیں، ان کا سیکھنا، سکھانا حرام قرار پائے گا، کیونکہ ان کی اَصل قرآن میں ہے نہ حدیث میں اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے اِن کی تصدیق و توثیق ہوتی ہے، اُنہیں تو بعد میں ضرورت کے پیشِ نظر علماء و مجتہدینِ اسلام نے وضع فرمایا۔ یہ سارے کے سارے علوم وفنون اپنی ہیئت کے اعتبار سے نئے ہیں اور لغتاً یہ بھی بدعت کے زمرے میں آتے ہیں۔

اگر ہر نیا کام بدعت ٹھہرے اور ہر بدعت ضلالت و گمراہی قرار پائے تو اس معنی

کے اعتبار سے مدارس کی مروجہ تعلیم و تدریس بھی گمراہی قرار پائے گی کیونکہ موجودہ ضابطے کے تحت تدریس نہ تو حضور ﷺ کے زمانۂ اقدس میں تھی اور نہ ہی اس طرح کسی صحابی نے تعلیم حاصل کی تھی بلکہ قرآنِ حکیم کا موجودہ صورت میں جمع کیا جانا اور اس پر نقطے اور اعراب لگوانا گمراہی کہلائے گا۔ نیز مسجدیں پختہ کرنا، ان میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال، مختلف زبانوں میں خطبات اور مساجد کی تزئین و زیبائش کے جملہ اِنتظامات غرضیکہ زندگی کے رہن سہن کا پورا نظام بیک قلم ناجائز اور حرام ٹھہرے گا۔ لہٰذا اس مفہوم کے تحت دینِ اسلام کے بے شمار حقائق اور اس کی متعدد تعلیمات بدعت کے زمرے میں آ کر خارج از دین قرار پائیں گی۔

غلط فہمی کے نتائج

ہر نئی چیز کو بدعت جان کر گمراہی پر محمول کرنا نہ صرف ایک غلط فہمی اور مغالطہ ہے بلکہ علمی وفکری اعتبار سے باعثِ ندامت اور قابلِ اَفسوس نقطۂ نظر بھی ہے۔ اگر بدعت کے اس مفہوم کو گمراہی کا معیار قرار دے دیا جائے تو عصرِ حاضر اور اس کے بعد ہونے والی تمام علمی و سائنسی ترقی سے آنکھیں بند کر کے ملت اسلامیہ دوسری تمام غیر دینی، باطل اور طاغوتی اَقوام وملل کے مقابلے میں عاجز، محتاج اور عصری تقاضوں سے نا بلد و نا آشنا ہو کر رہ جائے گی۔ وعدۂ خداوندی کے تحت دینِ اسلام کو تمام اَدیانِ باطلہ پر غالب کرنے اور اِسلامی تہذیب و ثقافت، مذہبی اَقدار اور نظامِ حیات میں برتری اور اِرتقاء کے حصول کی تمام کوششیں غیر موثر ٹھہریں گی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس مغالطے کو ذہنوں سے دور کیا جائے اور بدعت کے اصل تصور کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے۔

۲۔ بدعتِ حسنہ کے مقاصد کا حصول ضروری ہے

جس مقصد کے لئے وہ بدعت حسنہ وضع کی گئی ہو اس سے وہ مقصد بجا طور پر پورا ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ بدعت حسنہ کے تصور کا سہارا لے کر کسی کام کا اِجرا تو کر لیا جائے لیکن اس کی اصل روح، افادیت اور مقصدیت باقی نہ رہے بلکہ وہ محض ایک رسم بن

کر رہ جائے جیسا کہ بے عملی کی وجہ سے اکثر ہوجاتا ہے۔ یہ اقدام تو صریحاً نافرمانی قرار پائے گا۔

ایسے نئے اُمور کے جواز اور قبولیت کی شرط یہ ہے کہ وہ ''بدعت حسنہ'' یعنی ''مستحسنات'' ہی رہنے چاہئیں۔ ان کو ''ضروریاتِ دین'' نہیں سمجھا جاسکتا۔ بدعت کے جس تصور کی احادیث میں مذمت آئی ہے اس سے مراد قرآن و سنت سے متصادم کسی نئے کام کو دین میں داخل کرنا ہے۔ جس کو ضروریاتِ دین میں شمار کیا جائے یعنی اس کا ترک گویا کسی فرض، واجب یا سنت کا ترک تصور ہونے لگے۔ اس سے اس کو ''بدعت سیئہ'' کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اگر وہ اَمر اِعتقاداً ضروریات دین کا حصہ قرار نہ پائے لیکن عادۃً اور مصلحتاً جتنا بھی ضروری اور معمول بہ تصور ہوتا ہو وہ جب تک شریعت کے ساتھ متصادم و متعارض نہ ہو اسے قطعاً ناجائز تصور نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اگر بدعت بھی رضائے الٰہی کے نصب العین کے تحت وضع کی جائے تو اسے بھی بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت حاصل ہوجاتا ہے۔ یہاں یہ اَمر بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ اس طرح اسلام کے اندر شرعی محرمات اور نواہی کے جواز کی قطعاً کوئی صورت پیدا نہیں کی جاسکتی۔

شریعتِ اسلامی اور فلسفۂ حلال و حرام

اِسلام کے دامن میں کوئی تنگی یا محدودیت نہیں بلکہ یہ ایک آسان، واضح اور قابلِ عمل دین ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں کوئی شے اُس وقت ناجائز قرار پاتی ہے جب اس کو قرآن و سنت یا اِجماع از روئے شرع ناجائز قرار دیں۔ جس کو قرآن و سنت نے صراحت کے ساتھ ناجائز بیان نہیں کیا اسے اَزروئے شرع ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا، اس لئے کہ شریعتِ اِسلامیہ کا اُصول جائز اور حلال چیزوں کو گنوانا نہیں بلکہ ناجائز اور حرام چیزوں کی فہرست مہیا کرنا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ واضح احکام پر مشتمل ہے مثلاً خنزیر، بہتا ہوا خون، مردار اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے جانوروں کے گوشت وغیرہ کو بالصراحت حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح دیگر مشروبات و ماکولات، رشتوں، معاملات اور عقائد میں سے جملہ محرمات گنوا کر آگاہ کر دیا گیا کہ فلاں فلاں اَشیاء تمہارے

لئے حرام ہیں اور ان کے علاوہ جو کچھ بھی پیدا کیا گیا ہے وہ سب حلال اور جائز ہے۔

۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔(۱)

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لیے پیدا کیا۔''

۲۔ مزید ارشاد فرمایا:

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ۔(۲)

''اور اُس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہے''

۳۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جملہ نعمتیں انسان کے لئے پیدا کیں اور ان پر اسے جائز استعمال کا اختیار دے کر احسان فرمایا۔ اگر وہ خالق کائنات، رحمٰن اور رحیم ہے خود انسان پر ان نعمتوں کو حرام ٹھہرا دیتا اور انہیں ان سے مستفید ہونے کی اجازت نہ دیتا تو اس کا کیا ہوا یہ وعدہ کیونکر اس کے رب العالمین ہونے پر شہادت فراہم کرتا جس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَ اَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً۔(۳)

''(لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخر فرما دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔''

اِن آیات کے تحت حلال اور جائز اَشیاء کے عموم کے پیشِ نظر جب ہم حرام

(۱) القرآن، البقرة، ۲: ۲۹

(۲) القرآن، الجاثیہ، ۴۵: ۱۳

(۳) القرآن، لقمان، ۳۱: ۲۰

اَشیاء پر غور کرتے ہیں تو یہاں بھی ہمیں اُس کی رحمتوں اور بے پایاں مہربانیوں کا اِعتراف کرنا پڑتا ہے اس لئے کہ جو اَشیاء بھی اِسلام میں حرام ٹھہرائی گئی ہیں خواہ ان کا حکم اللہ ربّ العزت نے دیا ہو یا اس کے پیارے رسول ﷺ نے انہیں اپنے تشریعی و تکوینی (۱) اختیارات سے حرام ٹھہرایا ہو، دونوں اِعتبارات سے وہ حکم کسی خاص مصلحت اور حکمت کے پیشِ نظر وارد ہوا مثلاً اِسلامی شریعت کی رو سے حرام کی گئی اشیائے خورد و نوش میں جو قباحتیں اور ضرر رسانیاں ہیں انہیں جدید سائنسی تحقیقات (Modern Scientific Research) آج چودہ صدیاں گزرنے کے بعد آشکار کر رہی ہیں۔

محض ''بدعت'' کہنے سے کوئی چیز غیر مشروع نہیں ہوتی

کسی چیز کو فقط ''بدعت'' کہنے سے وہ ناجائز نہیں ہوجاتی۔ لغوی اِعتبار سے کسی عمل کا بدعت ہونا فقط اتنا ثابت کرے گا کہ اس پر قرآن و حدیث اور عمل صحابہ سے صراحتاً کوئی سند اور دلیل نہیں ہے لہٰذا وہ اِباحت کے زمرے میں آ جائے گا کیونکہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی کام کو ترک کر دینا اس کی حرمت کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ کسی بھی نئے عمل کی حلت و حرمت کو جاننے کے لئے اُصول یہ ہے کہ اسے دلیلِ شرعی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اگر وہ عمل موافقِ دلیل ہو تو ''بدعت حسنہ'' کہلائے گا اور اگر مخالف دلیل ہو تو ''بدعت سیئہ'' اور ''مذمومہ'' کہلائے گا۔

نوٹ: تفصیلات اسی کتاب کے باب نمبر:۸ کی فصل سوم ''اِباحتِ اَصلی اور مفسّرین کا نقطۂ نظر'' میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

❋ ❋ ❋

(۱) حضور ﷺ کی تشریعی اِختیارات کے حوالے سے میری کتاب ''الحکم الشرعی'' کے صفحہ ۸۴ تا صفحہ ۱۱۳ پر تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

باب پنجم

بدعت، اَحادیث و آثار کی روشنی میں

فصل اول:

تصورِ بدعت اور اَحادیثِ نبوی

فصل دوم:

تصورِ بدعت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم

فصل سوم:

تصورِ بدعت اور چند عصری نظائر و واقعات

فصل اوّل

تصورِ بدعت اور اَحادیثِ نبوی

❁ اَحادیث میں لفظِ بدعت کے اِستعمالات

❁ اَحادیث میں لفظِ اِحداث کے اِستعمالات

اَحادیثِ نبوی میں بدعت کا تصور کیا ہے؟ اس موضوع کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تصورِ بدعت کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے دو الفاظ اِستعمال فرمائے ہیں۔

۱۔ اِحداث ۲۔ بدعت

سب سے پہلے یہ بنیادی بات ذہن میں رکھ لیں کہ بدعت کا مدار ''إحداث'' پر ہے۔ ارشادِ نبوی ہے من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس فیه فهو ردٌّ[۱] یعنی وہ اِحداث مردود ہوگا جو اس دین میں اصلاً نہ ہو۔ دوسری حدیثِ مبارکہ میں فرمایا ''کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة[۲] یعنی ہر محدثہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۵۹، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، رقم: ۲۵۵۰
۲۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۶
۳۔ ابو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸
۴۔ ابو یعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴
۵۔ ابن جارود، المنتقی، ۱: ۲۵۱، رقم: ۱۰۰۲
۶۔ بیہقی، الاعتقاد، ۱: ۲۲۹
۷۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳:۵۷۹، رقم: ۵۸۱۲
(۲) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶ ←

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ لوگ حدیث کا صرف ایک ٹکڑا پکڑ کر ’’کل محدثة بدعة‘‘ کی تو رٹ لگاتے رہتے ہیں مگر یہ محدثہ بدعت بنا کیسے؟ وہ ان کے باہمی ربط کو توڑ دیتے ہیں، اِس خلطِ مبحث کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں ’’کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة‘‘ یعنی ہر محدثہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالۃ ہے۔ اس حدیث پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ صرف وہ بدعت ضلالۃ ہوگی جو ’’محدثه‘‘ ہوگی اور ’’محدثه‘‘ کے مفہوم کا تعین دوسری حدیث یعنی ’’من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس فیه فهو ردٌّ‘‘ نے کر دیا کہ محدثة فقط وہ ہوگا جو نیا ہونے کے ساتھ ساتھ ما لیس فیه کی شرط پر بھی پورا اُترتا ہو۔ جب إحداث کا مفہوم واضح ہو گیا تو دوسری یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ بدعت کے لئے محدثه ہونا ضروری ہے اور جو بدعت محدثه ہوگی وہی ضلالة ہوگی کیونکہ بدعت کا مدار ہی اِحداث پر ہے۔

یہ تفصیل اس لئے بیان کی گئی ہے کہ اگر اِن اَلفاظ کے معانی کا تعین نہ کیا جائے بلکہ صرف محدثہ اور بدعت کے لفظ کی بنیاد پر بحث و مجادلہ کا بازار گرم کر لیا جائے اور اِن کے ظاہری معانی کی بنیاد پر کفر و شرک کے فتوے صادر کرنا شروع کر دیں تو دین کی تعلیمات اور اَحادیثِ نبوی میں بہت سا خلل واقع ہو جائے گا جو معنوی اِلتباس و اِبہام پر منتج ہوگا۔

اَحادیث میں لفظِ بدعت کے اِستعمالات

ہمارے ہاں لفظِ شِرك کی طرح اِحداث اور بدعت کی دو اِصطلاحات کو بھی ظلم کی حد تک غلط طریقے سے اِستعمال کیا جاتا ہے اور ان کی منفی تعبیرات وتشریحات سے افرادِ اُمت کو ذہنی اِفتراق و اِنتشار میں مبتلا کر دیا جاتا ہے حالانکہ اَحادیثِ رسول اور آثارِ

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

صحابہ کے بغور مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ لفظاً اِن اِصطلاحات میں مطلقاً کوئی خرابی اور قباحت نہیں ہے۔

ذیل میں کتبِ اَحادیث سے چند مثالیں اور واقعات ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ نفسِ مسئلہ واضح ہو جائے اور اس بات کا اِدراک کر لیا جائے کہ بذاتِ خود اِن اَلفاظ میں کوئی نقص اور منفی معنی نہیں بلکہ اس کے برعکس محاورۂ عرب میں اِن اَلفاظ کا مثبت استعمال بھی عام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بیشتر مقامات پر اِن اِصطلاحات کو مثبت معنی میں بھی اِستعمال فرمایا ہے جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دورِ نبوی اور دورِ صحابہ میں بدعت ایسے کام کو بھی کہتے تھے جو اَصلاً جائز اور سنت ہوتا اور وہ ''**بدعة ضلالة**'' کے دائرے میں نہیں آتا تھا۔

۱۔ **امام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

دَخَلْتُ أَنَا وَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا عَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَ رضي الله عنهما جَالِسٌ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ رضي الله عنها، وَ إِذَا نَاسٌ يُصَلُّوْنَ فِي الْمَسْجِدِ صَلَاةَ الضُّحَى. قَالَ: فَسَأَلْنَاهُ عَنْ صَلَاتِهِمْ، فَقَالَ: بِدْعَةٌ. ثُمَّ قَالَ لَهُ كَمِ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ أَرْبَعٌ۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب العمرة، باب کم اعتمر النبي ﷺ، ۲: ۶۳۰، رقم: ۱۶۸۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب بیان عدد عمر النبي و زمانهن، ۲: ۹۱۷، رقم: ۱۲۵۵

۳۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۴: ۳۵۸، رقم: ۳۰۷۰

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۹: ۲۶۹، رقم: ۳۹۴۵

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۲۸، رقم: ۶۱۲۶

۶۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۲: ۱۷۲، رقم: ۲۱۶

۷۔ ابن راہویه، المسند، ۳: ۶۱۴، رقم: ۱۱۸۷

۸۔ عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۵۲، رقم: ۱۱۲۱

''میں اور عروہ بن زبیر مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم نے (ابنِ عمرؓ سے) اُن لوگوں کی نماز کے متعلق پوچھا تو فرمایا بدعت ہے۔ پھر اُن سے گزارش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنے عمرے کیے؟ فرمایا کہ چار۔''

اس حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اُسلوبِ بیان سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک لفظِ بدعت کا استعمال اُس قبیح اور خراب معنی میں نہیں ہوتا تھا جتنا آج کل بعض خاص پس منظر رکھنے والے لوگوں نے بنا دیا ہے۔ اسی لئے جب آپ رضی اللہ عنہ سے اس طرح مسجد میں نمازِ چاشت پڑھنے سے متعلق پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی تأمّل کے بے ساختہ فرمایا ''بدعة'' یعنی کوئی بات نہیں یہ بدعت (نیا طریقہ) ہے۔

غور فرمائیں اگر ''کل بدعة ضلالة'' یعنی ہر بدعت علی الاِطلاق ضلالت ہوتی تو ابنِ عمر رضی اللہ عنہ اس طریقے سے اِجتماعی نمازِ چاشت کی اَدائیگی کو بند کروا کر فوراً انہیں مسجد سے نکلوا دیتے اور فرماتے کہ تم حرام کر رہے، کیونکہ اِبن عمر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ ان کے سامنے کسی خلافِ شریعت اَمر کا اِرتکاب ہو رہا ہو اور وہ خاموش رہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ سن کر کہ یہ ''بدعت'' ہے پریشان نہیں ہوئے بلکہ خاموش رہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک محض کسی طریقے کا بدعت یعنی ''نیا ہونا'' اس کے مردود اور ناجائز ہونے کو مستلزم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی بحث اور توقُّف کے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دوسرا سوال کیا کہ کَمِ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ اَرْبَعٌ کہ حضور ﷺ نے کتنے عمرے کئے؟ فرمایا کہ چار۔ پوری حدیث کا سیاق و سباق یہ بتا رہا ہے کہ نمازِ چاشت کو ''بدعة'' کہتے ہوئے نہ حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ضلالت و گمراہی کا کوئی تصور تھا اور نہ ہی سوال کرنے والوں نے اسے بدعت کہنے پر کوئی اعتراض کیا کیونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے ہاں کسی بھی

’’نئے کام‘‘ کے لئے لفظِ بدعت کا استعمال معمول کی بات تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ چاشت کو بدعت کیوں کہا حالانکہ یہ تو مسنون ہے۔ کتبِ احادیث میں اس نماز کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دو بار گھر سے باہر آ کر مسجد میں نمازِ چاشت ادا فرمائی۔ پھر اس خیال سے کہ مجھے مسلسل نمازِ چاشت پڑھتا دیکھ کر لوگ اسے واجب ہی نہ سمجھنے لگیں، مسجد میں پڑھنا ترک کر دی اور باقی ساری عمر یہ نماز گھر میں ہی ادا فرماتے رہے۔ چونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نماز مسجد میں پڑھتے رہنے کا معمول نہ تھا اور اب صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کثرت کے ساتھ جمع ہو کر مسجد میں پڑھنے لگے تھے، لہٰذا ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح مسجد میں جمع ہو کر نمازِ چاشت پڑھنے کو بدعت کہا اور **اگر یہ ’’بدعتِ ضلالۃ‘‘ ہوتی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فوراً اس کا نوٹس لے کر انہیں منع کر دیتے کیونکہ اُس وقت پابندیِ شریعت میں عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کون ہو سکتا تھا۔ نہ آپ رضی اللہ عنہ نے منع کیا نہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے گمراہی سمجھا، نہ ہی نماز پڑھنے والے صحابہ و تابعین نے اسے بُرا جانا اور نہ ہی اِمام بخاریؒ نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد اس پر کوئی فتویٰ صادر کیا۔**

اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ بدعت اَیسے کام کو بھی کہتے ہیں جو اَصلاً جائز اور مشروع ہوتا ہے، لہٰذا محض بدعت کہنے سے وہ کام ’’کل بدعۃ ضلالۃ‘‘ [۱] کے زمرے

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنۃ، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجہ، السنن، مقدمہ، باب اتباع السنۃ الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

میں نہیں آتا کیونکہ اگر بغیر کسی امتیاز اور تعین کے ہر بدعت کو ضلالت کہنا شروع کر دیں تو پھر معاذ اللہ اس حدیث میں مذکور کثیر صحابہؓ کے عمل کو کیا کہیں گے؟ یہاں تو **بدعة** کے ساتھ لفظ **نِعْمَ** بھی نہیں آیا۔ صرف **بدعة** کہا گیا ہے۔ یہاں سے پتہ چلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی بھی نئے کام کے لئے بغیر تکلّف کے لفظِ **بدعت** استعمال کر لیتے تھے اور کسی کام کو بدعت کہنے سے نہ وہ آپس میں جھگڑتے تھے اور نہ ہی کفر و ضلالت کے فتوے صادر کرنے کا معمول تھا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کے ہاں لفظ **بدعت** اُس معنی میں استعمال ہی نہیں ہوتا تھا جس معنٰی میں آج بعض لوگ زبردستی استعمال کرتے ہیں، کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو ابن عمرؓ کے اس قول پر کہ مسجد میں نمازِ چاشت کی اَدائیگی **بدعت** ہے، فورًا دوسرے صحابہ و تابعین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث پیش کرتے کہ **کل بدعة ضلالة**، لیکن ایسا نہیں ہوا کیونکہ ان صحابہ کو شریعت کا صحیح فہم اور معرفت تھی وہ عرفِ عام میں ہر بدعت کو ضلالت نہیں کہتے تھے بلکہ صرف اس بدعت کو ''**ضلالة**'' کہتے تھے جو کتاب و سنت سے متعارض و متخالف ہو۔

۲۔ اِسی روایت کو **اِمام اِبن ابی شیبہؒ** (۲۳۵ھ) نے حضرت اعرج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

سَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ صَلَاةِ الضُّحٰی وَ هُوَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ إِلَی حُجْرَةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَقَالَ: بِدْعَةٌ وَ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ۔(۱)

''میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز چاشت کے متعلق سوال کیا جب وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ مبارک کے ساتھ پشت سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے تو انہوں نے فرمایا: بدعت ہے اور بہت اچھی بدعت ہے۔''

۳۔ اسی طرح **اِمام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) اپنی صحیح میں ''**کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان**'' میں عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے

(۱) ۱۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۲:۱۷۲

۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۳:۵۲، رقم: ۱۱۲۱

ہیں:

خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی الله عنه لَيْلَةً فِي رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ، وَ يُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عُمَرُ رضی الله عنه: إِنِّي أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلَى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ، ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ، قَالَ عُمَرُ: نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهِ، وَالَّتِي يَنَامُوْنَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي يَقُوْمُوْنَ، يُرِيْدُ آخِرَ اللَّيْلِ، وَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ أَوَّلَه۔(۱)

’’میں حضرت عمر رضی الله عنه کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلا تو لوگ متفرق تھے۔ ایک آدمی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور ایک آدمی گروہ کے ساتھ۔ حضرت عمر رضی الله عنه نے فرمایا کہ میرے خیال میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کر دیا جائے تو اچھا ہوگا، پس آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی الله عنه کے پیچھے سب کو جمع کر دیا پھر میں دوسری رات کو ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی الله عنه نے فرمایا: **یہ کتنی اچھی بدعت ہے** اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے اس سے بہتر وہ حصہ ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں، مراد رات کا آخری حصہ تھا جبکہ لوگ پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔‘‘

(۱) ۱۔بخاری، الصحیح، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، ۲:۷۰۷، رقم:۱۹۰۶

۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۴:۲۵۸، رقم:۷۷۲۳

۴۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۶۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

حضور ﷺ نے اس خوف سے کہ لوگ اسے فرض نہ سمجھ لیں نمازِ تراویح اور نمازِ چاشت چند دفعہ صحابہ کے ساتھ باہر پڑھنے کے بعد پھر گھر میں پڑھنا شروع کر دی تاکہ کمزور اور بوڑھے لوگ مشقت میں نہ پڑ جائیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (۵۸ھ) فرماتی ہیں بہت سے ایسے اُمور تھے جنہیں حضور ﷺ کرنا چاہتے تھے اور آپ ﷺ انہیں پسند بھی فرماتے تھے مگر نہیں کرتے تھے کہ کہیں مسلسل کرنے کی وجہ سے یہ لوگوں پر فرض نہ ہو جائیں یا کہیں لوگ اسے واجب نہ سمجھ لیں اور بہت زیادہ مشقت اور تکلیف میں نہ پڑ جائیں۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

ان كان رسول الله ﷺ ليدع العمل وهو يحب ان يعمل به خشية ان يعمل به الناس فيفرض عليهم وما سبّح رسول الله ﷺ سبحة الضحى قط و انى لاسبحها۔(۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، ابواب التقصير الصلوة، باب تحريض النبی ﷺ على صلوة الليل، ۱:۳۷۹، رقم: ۱۰۷۶
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب صلاة المسا فرين، باب استحباب صلاة الضحىٰ، ۱:۴۹۷، رقم:۷۱۸
۳۔ ابوداؤد، السنن، كتاب التطوع، باب صلاة الضحىٰ، ۲:۲۸، رقم:۱۲۹۳
۴۔ ما لك، الموطأ، كتاب قصر الصلاة فی السفر، باب صلاة الضحىٰ، ۱:۱۵۲، رقم:۳۵۷
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶:۱۷۸، رقم:۲۵۴۹۰
۶۔ ابن حبان، الصحيح، ۲:۱۲، رقم:۳۱۳
۷۔ ربيع، المسند، ۱:۸۶، رقم:۱۹۶
۸۔ نسائى، السنن الكبرىٰ، ۱:۱۸۰، رقم:۴۸۰
۹۔ ابو عوانه، المسند، ۲:۲۶۷
۱۰۔ بيهقى، السنن الكبرىٰ ۳:۵۰، رقم: ۴۶۹۲

”رسول اللہ ﷺ (بعض اَوقات) کسی عمل کو اس ڈر سے ترک کر دیتے کہ لوگ اس کام کو کریں گے تو ان پر فرض کر دیا جائے گا حالانکہ اس کا کرنا آپ ﷺ کو محبوب ہوتا ، اور رسول اللہ ﷺ نے نمازِ چاشت بالکل نہیں پڑھی (یعنی پابندی سے) لیکن میں اسے پڑھتی ہوں۔“

حضور ﷺ نے چونکہ وقتی مصلحت کے پیشِ نظر اپنی حیاتِ طیبہ میں مسجد میں با جماعت نمازِ تراویح سے منع فرما دیا تھا لہٰذا آپ ﷺ کے وصال کے بعد سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ڈھائی سالہ دورِ خلافت میں لوگ نمازِ تراویح الگ الگ پڑھتے رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت کے اِبتدائی سالوں میں بھی اِنفرادی طور پر ادا کرتے رہے بعد اَزاں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک اِمام کے پیچھے اکٹھا کر دیا اور جب انہیں مسجد میں باجماعت نمازِ تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا! یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر لفظِ بدعت میں اتنی ہی خرابی ہوتی اور اس کا معنی ہی ضلالت و گمراہی ہوتا تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تراویح جیسی عبادت کے لئے کبھی ایسا لفظ استعمال نہ کرتے۔ ویسے بھی وہ اہلِ زبان تھے، اگر ایسی بات ہوتی تو وہ بدعت کی جگہ کوئی دوسرا متبادل لفظ استعمال کرتے ،مگر ان سب باتوں کے باوجود انہوں نے لفظِ بدعت ہی استعمال کیا، اس کے استعمال کا ایک مقصد تھا ،وہ مقصد یہ تھا کہ اگرچہ ہر نیا کام اپنے ”نئے پن“ کی وجہ سے بدعت ہوتا ہے مگر حضور ﷺ کے فرمان ”فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ“(۱) کی وجہ سے ہر وہ نیا کام جسے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے شروع کیا

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

←

ہو، وہ سنتِ خلفاءِ راشدین ہونے کی وجہ سے بدعتِ حسنہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب ایک اِمام کی اِقتداء میں باجماعت نمازِ تراویح کا آغاز کیا تو اسے ”نعمت البدعة هذه“ فرمایا۔

اَحادیث میں لفظِ اِحداث کے اِستعمالات

لفظِ بدعت کی طرح لفظِ اِحداث کو بھی اس کے غلط اِستعمال کی وجہ سے بعض لوگوں نے اِسے ضلالت وگمراہی کا ہم معنی بنا دیا ہے حالانکہ اِحداثِ حسن کو بدعت و گمراہی قرار دینا بذاتِ خود جہالت وگمراہی ہے۔ ذیل میں اِحداث اور محدثہ کے حوالے سے چند اَحادیث پیش کی جاتی ہیں جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم بلاتکلّف یہ لفظ اَعمالِ حسنہ کے لیے بھی استعمال کرتے تھے چنانچہ ”کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة“ کے مفہوم میں منشاء رسول کو سمجھے بغیر ہر نئے کام کو بغیر اس کے حُسن و قُبح کے گمراہی قرار دینا دین کیساتھ زیادتی ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اِس لفظ میں معاذ اللہ اتنی ہی خرابی اور نقص ہوتا تو کبھی بھی اس کی نسبت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہ کی جاتی۔ اِمام مسلم (۲۶۱ھ) اپنی صحیح میں کتاب الصلاة، باب ما يقال فی الرکوع و السجود میں نقل کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُكْثِرُ أَنْ يَقُوْلَ، قَبْلَ أَنْ يَمُوْتَ: سُبْحَانَكَ وَ بِحَمْدِكَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَ أَتُوْبُ إِلَيْكَ. قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، مَا هَذِهِ الْكَلِمَاتُ الَّتِي أَرَاكَ أَحْدَثْتَهَا تَقُوْلُهَا؟ قَالَ: جُعِلَتْ

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

۷۔ دارمی، السنن، ۱: ۵۷، رقم: ۹۵

۸۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۶۷، رقم: ۷۵۱۶

۹۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۷۴، رقم: ۳۲۹

لِي عَلَامَةٌ فِي أُمَّتِي إِذَا رَأَيْتُهَا قُلْتُهَا. إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ[۱] إِلى آخِرِ السُّوْرَةِ۔(۲)

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ وصال سے پہلے بکثرت یہ کلمات فرماتے تھے۔ (سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِکَ أَسْتَغْفِرُکَ وَ أَتُوْبَ إِلَيْکَ)، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اب آپ نے یہ نئے کلمات کیوں فرمانے شروع کر دیئے جنہیں میں آپ کو پڑھتے ہوئے دیکھتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کی ایک علامت مقرر کر رکھی ہے جب میں اُمت میں اس علامت کو دیکھتا ہوں تو سورہ (اذا جاء نصر اللہ و الفتح) پڑھتا ہوں (اس سورت میں جو حکم ہے اس پر عمل کرتا ہوں)۔‘‘

مذکورہ حدیث کے تناظر میں لفظِ ’’احداث‘‘ پر تبصرہ سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی زبانِ اَقدس سے نکلا ہوا ہر لفظ حق ہے[۳]۔ آپ جب چاہیں جس وقت چاہیں اور جو چاہیں فرما دیں اور جو فرما دیں وہی سنت بن جاتا ہے۔ وہی ’’في أمرنا هذا‘‘[۴] بن جاتا ہے، وہی دین بن جاتا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ سب

(۱) القرآن، النصر، ۱۱۰: ۱-۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب: الصلاة، باب: ما یقال فی الرکوع و السجود، ۱: ۳۵۱، رقم: ۴۸۴

۲۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۶: ۴۲، رقم: ۲۹۳۳۲

۳۔ ابو نعیم، المسند المستخرج علی صحیح الإمام مسلم، ۲: ۹۸، رقم: ۱۰۷۶

۴۔ طبری، جامع البیان عن تأویل أي القرآن، ۳۰: ۳۳۴

(۳) احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۶۲، رقم: ۶۵۱۱

حاکم، المستدرک، ۱: ۱۸۷، رقم: ۳۵۹

(۴) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۵۹، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، رقم: ۲۵۵۰

←

کچھ جاننے کے باوجود بے ساختہ آپ ﷺ کے ان نئے کلمات کے بارے میں فرماتی ہیں۔ مَا هٰذِهِ الْكَلِمَاتُ الَّتِي أَرَاکَ أَحْدَثْتَهَا تَقُوْلُهَا؟''یا رسول اللہ ﷺ! اب آپ نے یہ نئے کلمات کیوں پڑھنے شروع کر دیئے جنہیں میں آپ کو پڑھتے ہوئے دیکھتی ہوں؟''

اس حدیث میں لفظِ ''احداث'' کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی گئی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ بعض کلمات چاہے سنت ہی کیوں نہ ہوں اور آپ ﷺ کے فرمودہ ہی کیوں نہ ہوں اُن کی طرف بھی اِحداث کی نسبت کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح پچھلی حدیث میں نمازِ چاشت مسجد میں پڑھنے پر لفظِ بدعت اِستعمال ہوا تھا۔ اس سے یہ اَمر واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر نئے کام کو ''کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة''(۱) کا وہ مفہوم نہیں لیتے تھے جو آج بعض کم فہم لوگ لیتے ہیں۔ ایسی کسی بھی حدیث پر کوئی بھی حکم لگانے سے قبل اس حدیث کا سیاق و سباق دیکھا جائے، اس کے مرادی معنی،

------ ۲۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۲۰۰، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: ۴۶۰۶

۳۔ ابو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸

۴۔ ابو یعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴

۵۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۵۷۹، رقم: ۵۸۱۲

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

مضمون اور شانِ نزول کو پیشِ نظر رکھا جائے اور اِس اَمر پر غور و خوض کیا جائے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کس تناظر میں کیا واقعہ اور مضمون بیان فرما رہے ہیں۔ اور آپ ﷺ کے فرمان کا منشاء و مقصود کیا ہے؟ لہٰذا جب تک پورے مضمون کو من کل الوجوہ سامنے نہ رکھا جائے اور محض سرسری طور پر اَلفاظ کو پکڑ کر حکم لگا دیا جائے تو گمراہی پیدا ہوگی اور مفہوم کچھ کا کچھ بن جائے گا۔

اگر لفظِ احداث اور بدعت میں اتنی ہی خرابی ہوتی تو کبھی بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ لفظ حضور ﷺ کے لئے استعمال نہ فرماتیں۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا کا لفظِ احداث حضور ﷺ کے لئے استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بذاتِ خود اس لفظ کے معنی و مفہوم میں کوئی خرابی نہیں بلکہ خرابی اُن لوگوں کے فہمِ اِسلام میں ہے جنہوں نے زبردستی ان الفاظ کو ضلالت و گمراہی کا ہم معنی بنا دیا ہے۔ اگر لفظِ احداث اور بدعت عربی محاورہ میں اَچھے معنوں میں اِستعمال نہ ہوتے تو کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے لئے یہ اَلفاظ استعمال نہ کرتے بلکہ اِرشادِ باری تعالیٰ ''لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوْا انْظُرْنَا''[1] کی تعمیل میں دوسرے متبادل اَلفاظ استعمال کرتے تاکہ بے اَدبی اور گستاخی کا شائبہ نہ رہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ لفظِ اِحداث کتاب و سنت یا عربی اَدب میں ہر جگہ منفی یا ممنوعہ معنوں میں اِستعمال نہیں ہوتا بلکہ وہ مباح ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کا معنی بُرا کب ہوتا ہے اور اچھا کب؟ **امام بدرالدین عینیؒ** (۸۵۵ھ) اس اُصول کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان کانت مما یندرج تحت مستحسن فی الشرع فھی بدعة حسنة و ان کانت مما یندرج تحت مستقبح فی الشرع فھی بدعة مستقبحة۔(۲)

''اگر یہ بدعت شریعت کے مستحسنات کے تحت آ جائے تو ''**بدعت حسنہ**'' ہے اور اگر یہ شریعت کے مستقبحات کے تحت آ جائے تو یہ ''**بدعت**

(۱) القرآن، البقرة، ۲:۱۰۴

(۲) عینی، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ۱۱:۱۲۶

مستقبحة'' ہے۔

زیربحث حدیثِ مبارکہ میں اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضي الله عنها کا نئے کلمات سن کر حضور ﷺ کو عرض کرنا کہ یا رَسُوْلَ اللهِ، ما هٰذِهِ الْكَلِمَاتُ الَّتِي أَرَاکَ أَحْدَثْتَهَا تَقُوْلُهَا؟ اس کے جواب میں حضور ﷺ کا اس اِحداث کو اِحداثِ حسن یا محدثہ حسنہ قرار دیتے ہوئے اِرشاد فرمانا جُعِلَتْ لِي عَلَامَةٌ فِي أُمَّتِي إِذَا رَأَيْتُهَا قُلْتُهَا سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک اچھے اور نئے کام کو شروع کرنا یا اچھی بات اور نئے کلمات کا اجراء کرنا اِحداثِ حسن ہے اور یہ حضور ﷺ کی سنت سے ثابت ہے لہٰذا کوئی نئی ہیئت کی چیز ،نیا کام یا نیکی اور خیر پرمبنی نیک کام کو شروع کرنا اور رواج دینا سب حضور ﷺ کی سنت ہیں۔ احادیثِ نبوی ''ما احدث فی امر نا هذا'' اور ''كل محدثه بدعة'' اور اس مفہوم کی دیگر احادیث سے غلط استدلال کرتے ہوئے ہر اِحداث کو ضلالت و گمراہی قرار دینا بذات خود جہالت اور منشاءِ رسول کو نہ سمجھنے کے مترادف ہے، کیونکہ بدعتِ حسنہ کے اجراء کی اصل خود حضور ﷺ کی سنت ہے، لہٰذا جو عمل سنتِ رسول ﷺ پر قائم ہو وہ ایک ہو یا ایک ہزار ہوں، وہ سب حسنہ ہوں گے۔ انہیں محض اپنے استدلالِ باطل کی بنا پر بدعتِ سیئہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں جس میں کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی نسبت لفظِ اِحداث اِستعمال کیا اور حضور ﷺ نے اپنے اِس نئے عمل کو محدثۂ حسنہ قرار دیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لفظِ اِحداث کو ضلالت وگمراہی کے مترادف اِستعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اِمام نسائیؒ (۳۰۳ھ) السُّنن الکبریٰ میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا اجْتَمَعَ إِلَيهِ أَصْحَابُهُ فَأَرَادَ أَنْ يَّنْهَضَ قَالَ: سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُکَ وَ أَتُوْبُ إِلَيْکَ عَمِلْتُ سُوْءً اَوْ ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْلِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ. فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللهِ هٰذِهِ كَلِمَاتٌ أَحْدَثْتَهُنَّ قَالَ:

أَجَلْ جَاءَنِي جِبْرَئِيلُ فَقَالَ لِي: يَا مُحَمَّدُ هُنَّ كَفَّارَةُ الْمَجَالِسِ۔(۱)

’’صحابہ کرام جب حضور نبی اکرم ﷺ کے گرد جمع ہوتے اور آپ ﷺ (مجلس ختم ہونے کے بعد) اُٹھنے لگتے تو فرماتے: ’’اے اللہ! تیرے لئے ہی پاکی ہے اور تیرے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں، برا کیا ہو یا اپنے اوپر ظلم کیا ہو۔ پس تو مجھے بخش دے۔ یقیناً تیرے سوا کوئی بھی گناہ معاف نہیں کرسکتا‘‘ تو ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے یہ نئے کلمات پڑھے۔ فرمایا: ہاں! ابھی میرے پاس جبرائیل آئے تھے اور مجھ سے عرض کیا: اے محمد (ﷺ) یہ اَلفاظ مجالس کا کفارہ ہیں۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ سے دو باتیں ثابت ہوئیں:

۱۔ لفظِ اِحداث میں مطلقاً کوئی قباحت اور خرابی نہیں ہے۔ اسے ضلالت و گمراہی کی طرف منسوب کرنا عملِ صحابہ اور سنتِ صحابہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اس کے مفہوم میں کوئی برائی اور خرابی ہوتی تو کبھی بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ لفظ حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے استعمال نہ کرتے۔

۲۔ نئے کلمات اور نیک اَعمال کا اِجراء اس نیت کے ساتھ کہ یہ حضور ﷺ کی سنت ہے، جائز ہے۔ اسی کو بدعت حسنہ کہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بلا تکلف اَعمالِ حسنہ اور افعالِ خیر کے لئے لفظِ اِحداث اور لفظِ بدعت استعمال کرنا اور پھر اِن الفاظ کی حضور ﷺ کی طرف نسبت کرنا اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ ہر اِحداث اور بدعت موجبِ ضلالت و گمراہی نہیں۔

(۱) ۱۔نسائی، السنن الکبری، ۶:۱۱۳، رقم: ۱۰۲۰
۲۔حاکم، المستدرک، ۱:۷۲۱، رقم: ۱۹۷۲
۳۔منذری، الترغیب و الترھیب، ۲:۲۶۴، رقم: ۲۳۳۹
۴۔نسائی، عمل الیوم و اللیلة، ۱:۳۲۰، رقم: ۴۲۷

فصل دوم :

تصورِ بدعت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم

۱۔ جمعِ قرآن اور شیخین رضی اللہ عنہما کا عمل

۲۔ باجماعت نمازِ تراویح کی اِبتدا

۳۔ نمازِ جمعہ سے قبل دوسری اَذان

۴۔ قطع ید کی سزا کی معطّلی

۵۔ چور کے قطع ید کی بجائے مالک کو دوگنا قیمت ادا کرنے کا حکم

۶۔ عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز سے روکنا

۷۔ مانعینِ زکوٰۃ سے قتال

۸۔ جرمِ لواطت پر جلانے کی سزا

۹۔ کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت

۱۰۔ مؤلفۃ القلوب کی شق کی معطّلی

۱۱۔ مفتوحہ زمینوں کی تنظیم کے بارے میں فیصلہ

۱۲۔ تاجروں سے عشور کی وصولی

۱۳۔ مجرم کے لے شہر بدری کے حکم کو منسوخ کرنا

۱۴۔ گھوڑوں اور غلاموں پر صدقہ لینے کا حکم

۱۵۔ بیت المال سے وظیفہ کا تقرر

گزشتہ اَبواب میں بدعت کے اِطلاق اور اس کے مفہوم کے بیان سے اچھی طرح واضح ہوگیا گا کہ لُغوی اِعتبار سے ہرنئی چیز کو **بدعت** کہتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کا تصور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار میں بھی موجود تھا یا نہیں؟ اس کی وضاحت کے لئے اِختصار کے پیشِ نظر ہم خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل موضوعِ زیرِ بحث کے حوالے سے بیان کریں گے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُمت کے لئے ان کا عمل ہی سب سے زیادہ مستند و معتبر ہے۔

ا۔ جمع قرآن اور شیخین رضی اللہ عنہما کا عمل

امام شاطبیؒ (۷۹۰ھ) اپنی معروف کتاب ''**الاعتصام**'' میں قرآن کی جمع و تدوین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

انّ أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إتفقوا على جمع المصحف وليس ثَمَّ نص على جمعه و كتبه ۔(۱)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے پر متفق ہو گئے حالانکہ قرآن کریم کو جمع کرنے اور لکھنے کے بارے میں ان کے پاس کوئی صریح حکم نہیں تھا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی نیا کام دینی مصالح اور خیر پر مبنی ہو تو اس کو اِختیار کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے اور اسے محض نیا ہونے کی وجہ سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ جمعِ قرآن کی تفصیل یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب سیدنا صدیق

(۱) شاطبی، الاعتصام، ۲: ۱۱۵

اکبر رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر متمکن ہوئے تو اس وقت جھوٹی نبوت کے دعویدار مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں تقریباً سات سو (۷۰۰) حفاظِ قرآن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اگر یہ سلسلۂ جہاد وقتال اسی طرح جاری رہا اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کے سینوں میں قرآن حکیم محفوظ ہے شہید ہوتے رہے تو عین ممکن ہے کہ آگے چل کر حفاظتِ قرآن میں خاصی دشواری پیش آئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب یہ فکر دامن گیر ہوئی تو آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا: **یا خلیفة الرسول** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حفاظ صحابہ رضی اللہ عنہم جنگوں میں شہید ہوتے جا رہے ہیں، کہیں حفاظتِ قرآن مسلمانوں کے لئے ایک مسئلہ نہ بن جائے۔ اس لئے میری یہ تجویز ہے کہ قرآن کو فوری طور پر ایک کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائے، اس طرح اس کی حفاظت کا بہتر اہتمام ہوسکے گا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ذہن فوراً اس طرف گیا کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ میں کیوں کروں لہٰذا انہوں نے فرمایا:

كيف أَفعل شيئا؟ مالم يفعله رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔(۱)

”میں ایسا کام کیسے کرسکتا ہوں؟ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بصیرت افروز نگاہیں اس حکمت ومصلحت اور بھلائی کا مشاہدہ کر رہی تھیں جو جمعِ قرآن میں مضمر تھی لہٰذا انہوں نے جواب دیا اے امیرالمومنین! درست ہے کہ یہ کام ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوجوہ اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں نہیں کیا لیکن ”**هو و الله خير**،“ اللہ کی قسم، یہ بہت اچھا اور بھلائی پر مبنی ہے، لہٰذا ہمیں اسے ضرور کرنا چاہیے۔

اس بحث وتمحیص کے دوران سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اِنشراحِ صدر نصیب ہوا اور فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ! اللہ تیری قبر کو روشن کرے، تو نے اپنی گفتگو سے میرے سینے کو روشن کر دیا۔ اس حدیث کے راوی حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاء کم رسول، ۴: ۱۷۲۰، رقم: ۴۴۰۲

صدیق رضی اللہ عنہ مجھ سے فرمانے لگے کہ آپ نوجوان اور سمجھدار شخص ہیں۔ علاوہ ازیں آپ چونکہ کاتب وحی رہے ہیں ان تمام وجوہات کی بناء پر ہم آپ رضی اللہ عنہ کو ہی اس کام پر مامور کرتے ہیں لہٰذا آپ قرآن کو مختلف مقامات سے تلاش کر کے ایک جگہ جمع کر دیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جب اتنی بڑی اور نازک ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا پڑا تو ابتدائی طور پر ان کے ذہن میں بھی وہی سوالات پیدا ہوئے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں اُبھرے تھے، لہٰذا کہنے لگے:

فواللہ لو كلفني نقل جبل من الجبال ما كان أثقل عليّ مما أمرني به من جمع القرآن، قلت: كيف تفعلان شيئا؟ لم يفعله النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال: أبو بكر هو والله خير۔(۱)

”اللہ کی قسم (ابوبکر رضی اللہ عنہ) مجھے اگر ایک پہاڑ کو دوسرے کی جگہ نقل کرنے کی تکلیف دیتے تو قرآن کو جمع کرنے سے وہ کام میرے لئے بھاری نہ ہوتا (زید بن ثابت رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے (عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابوبکر

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۷۲۰، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاء كم رسول، رقم: ۴۴۰۲

۲۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۶۲۹، کتاب الاحکام، باب يستحب للكاتب أن يكون اميناً عاقلاً، رقم: ۶۷۶۸

۴۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۲۸۳، کتاب التفسیر، باب من سورة التوبة رقم: ۳۱۰۳

۵۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲

۶۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۳، رقم: ۷۶

۷۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۳۶۰، رقم: ۴۵۰۶

۸۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۵: ۱۴۶، رقم: ۴۹۰۱

۹۔ ابو یعلی، المسند، ۱: ۹۱، رقم: ۹۱

۱۰۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۰، رقم: ۲۲۰۲

صدیق رضی اللہ عنہ سے) عرض کیا آپ وہ کام کس طرح کرتے ہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے۔‘‘

اس گفتگو کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھی اِنشراحِ صدر نصیب ہوا اور وہ اس کام کے لئے تیار ہوگئے۔ انہوں نے کھجور کی شاخوں، سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کو جمع کرنا شروع کردیا۔ اس طرح تیار کئے گئے قرآن حکیم کے چند نسخے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد اُم المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ ہوگئے تھے۔ بعد اَزاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان سے وہ نسخے منگوا کر قرآن حکیم کو دوبارہ موجودہ ترتیب میں یکجا کر دیا۔

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں اہم بات یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ **كيف تفعلان شيئاً لم يفعله النبى** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی اس کام کے بدعت (نیا کام) ہونے کا انکار کیا ہے بلکہ ان کے سوال کے جواب میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ دہرائے کہ ’’**هو والله خير**‘‘ اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر وہ کام جو مبنی برحکمت و مصلحت ہو اور احکامِ شریعت سے متعارض و متناقض بھی نہ ہو وہ بلاشک وشبہ مباح، جائز اور مشروع ہے اور ایسے اُمور کا بجالانا سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہے۔

۲۔ باجماعت نمازِ تراویح کی ابتدا

جمع و تدوینِ قرآن کی طرح باجماعت نمازِ تراویح کا یہ عمل بھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان کی تعمیل میں باقاعدہ وجود پذیر ہوا۔ لفظِ بدعت کے مثبت اِستعمال کی اِس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے باجماعت نمازِ تراویح جیسی مقدس عبادت کو **نعم البدعة** کہا ہے۔ اَحادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں رمضان المبارک میں تین راتیں نماز تراویح با جماعت پڑھائی۔ اس کے بعد فرض ہوجانے کے خوف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری زندگی گھر میں ہی پڑھتے رہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اِنفرادی طور پر اپنی اپنی نماز پڑھ لیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے عہد مبارک کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اڑھائی سالہ دور خلافت میں بھی صحابہ کرام کا یہی معمول رہا۔ جب سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور آپ نے دیکھا کہ رمضان المبارک میں لوگ مختلف شکلوں میں نمازِ تراویح ادا کر رہے ہیں۔ تو اس خیال سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے اندر مساجد کو آباد کرنے کا ذوق بھی کم ہوسکتا ہے اور اگر صورتحال یہی رہی تو عین ممکن ہے کسی وقت لوگ نماز تراویح پڑھنا ہی ترک کر دیں، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس قصد کو پختہ فرما کر سب کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جو حافظِ قرآن تھے نماز تراویح جماعت سے پڑھنے کے لئے مجتمع کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری بیان کرتے ہیں کہ

خرجت مع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ليلة في رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلى الرجل لنفسه و يصلي الرجل فيصلي بصلا ته الرهط، فقال عمر: إنى أرى لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد لكان أمثل ثم عزم فجمعهم على أبى بن كعب ثم خرجت معه ليلة أُخرى والناس يصلون بصلوة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هذه والتى ينامون عنها أفضل من التى يقومون يريد آخر الليل و كان الناس يقومون أوّله۔(۱)

''میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلا تو لوگ متفرق تھے ایک آدمی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور ایک آدمی گروہ کے ساتھ۔ حضرت

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۷۰۷، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، رقم:۱۹۰۶

۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۳۔ ابن خزیمۃ، الصحیح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۵۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کر دیا جائے تو اچھا ہوگا، پس آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے سب کو جمع کر دیا۔ پھر میں دوسری رات کو ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **یہ کتنی اچھی بدعت ہے** اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے اس سے بہتر وہ حصہ ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں مراد رات کا آخری حصہ تھا جبکہ لوگ پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔''

اس روایت میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود ''**نعم البدعة هذه**''فرما کر بدعت کی تقسیم فرما دی اور یہ ثابت کر دیا کہ ہر بدعت، بدعت سیۂ نہیں ہوتی بلکہ بے شمار بدعات حسنہ بھی ہوتی ہیں وگرنہ آج تک امت مسلمہ کے جو افراد رمضان المبارک کی بابرکت راتوں میں مساجد میں نماز تراویح کی صورت میں اکٹھے ہوکر قرآن سنتے ہیں یہ بھی ناجائز ہوتا مگر ہمیشہ یہ امر مستحسن رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ بدعت حسنہ اور سیۂ کی تقسیم مبنی بر حدیث ہے یہ محض قیاسی تقسیم نہیں بلکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول پر قائم ہے۔ **علامہ ابن اثیر جزری** (۶۰۶ھ) نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

ومن هذا النوع قول عمر رضی اللہ عنہ: نِعمت البدعة هذه[1] لمَّا كانت من أفعال الخير وداخلة فی حيز المدح سماها بدعة ومدحها؛ لأن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لم يسُنَّها لهم، و إنما صلّاها ليالی ثم تركها ولم

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۷۰۷، کتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۱۹۰۶

۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۴۔ بيهقی، السنن الكبرىٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۵۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

يحافظ عليها، ولا جمع الناس لها، ولا كانت فی زمن أبی بکر، وإنما عمر‌رضی الله عنه جمع الناس عليها و ندبهم إليها، فبهذا سمّاها بدعة، وهی علی الحقيقة سنَّة، لقوله‌صلی الله علیه وآله وسلم عليكم بسنَّتی و سنَّة الخلفاء الراشدين من بعدی[۱] وقوله اقتدوا بالذين من بعدی أبی بکر و عمر[۲] و علی هذا التأويل يحمل الحديث الآخر (کل محدثة بدعة[۳] إنما يريد ما خالف أصول الشريعة ولم يوافق السُّنَّة۔(۴)

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۳۵

(۲) ترمذی، الجامع الصحيح، ۵: ۶۷۲، رقم: ۳۸۰۵

(۳) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحيح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۴) ابن أثير جزری، النهاية، فی غريب الحديث والأثر ۱: ۱۰۶

''اور اِسی قسم (یعنی بدعتِ حسنہ) میں سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول ''نعمت البدعة هذه'' ہے پس جب کوئی کام افعالِ خیر میں سے ہو اور مقام مدح میں داخل ہو تو اسے (لُغوی اعتبار سے) بدعت کہا جائے گا اور اس کی تحسین کی جائے گی کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس (باجماعت نماز تراویح کے) عمل کو ان کے لئے مسنون قرار نہیں دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند راتیں اس کو پڑھا پھر (با جماعت پڑھنا) ترک کردیا اور (بعد میں) اس پر محافظت فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا۔ اس کے بعد نہ ہی یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں (باجماعت) پڑھی گئی۔ پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے (اپنے دور میں) لوگوں کو اس پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول ''عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين من بعدی'' اور اس فرمان ''اقتدوا بالّذين من بعدی من أصحابی أبی بكر و عمر'' کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث ''كل محدثة بدعة'' کو اُصولِ شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدم موافقت پر محمول کیا جائے گا۔''

امام قرطبیؒ (۶۶۸ھ) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے باجماعت نمازِ تراویح شروع کروانے کے اس نئے عمل کو بدعتِ محمودہ اور بدعتِ ممدوحہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

و يَعضُدُ هذا قول عمر رضی اللہ عنہ: نعمت البدعة هذه؛ لما كانت من أفعال الخير و داخلة فی حيز المدح، وهی وإن كان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد صلاها إلا أنه تركها ولم يحافظ عليها، ولا جمع الناس عليها؛ فمحافظة عمر رضی اللہ عنہ، عليها وجمع الناس لها، وندبهم إليها، بدعة لكنها بدعة محمودة ممدوحة. وإن كانت فی خلاف ما أمرالله به ورسوله فهی فی حيّز الذم والإنكار؛ قال معناه الخطابی و غيره قلت: وهو معنی قوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی خطبته: ''وشَرُّ الأمور محدثاتها

وكل بدعة ضلالة"[۱] يريد مالم يوافق كتابا أو سنة، أو عمل الصحابة رضی اللہ عنھم، وقد بين هذا بقوله: "مَنْ سَنّ فِی الإسلام سُنَّةً حسنة كان له أجرها و أجر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أجورهم شیء ومَن سنّ فی الإسلام سُنَّةً سيئة كان عليه وزرُها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شیء".[۲] وهذا إشارة إلى ما ابتدع من قبيح و حسن۔(۳)

"اور یہ (باجماعت نمازِ تراویح کا) عمل حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے قول "نعمت البدعة هذه" کو تقویت دیتا ہے جو کہ اچھے کاموں میں سے تھا۔ وہ (اَعمال) محمود کاموں میں داخل ہیں اور وہ یہ ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ تراویح کو پڑھا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے (باجماعت) ترک کر دیا اور اس کی محافظت نہیں فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا، پس (بعد میں

---

(۱) ۱۔ابن ماجه، السنن، باب اجتناب البدع الجدل، ۱:۱۸، رقم: ۴۶
۲۔ابن حبان، الصحيح، ۱:۱۸۶، رقم: ۱۰
۳۔طبرانی، المعجم الكبير، ۹:۹۶، رقم: ۸۵۱۸
۴۔ابویعلی، المسند، ۴:۸۵، رقم: ۲۱۱۱
۵۔دیلمی، المسند الفردوس، ۱:۳۸۰، رقم: ۱۵۲۹

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح ، كتاب الزكوٰة، باب الحث على الصدقه، ۲: ۷۰۵، رقم: ۱۰۱۷
۲۔ نسائی، السنن، كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقه، ۵: ۵۵، ۵۶، رقم: ۲۵۵۴
۳۔ابن ماجه، السنن، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، ۱ : ۷۴، رقم: ۲۰۳
۴۔احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹
۵۔ابن حبان، الصحيح، ۸: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۳۳۰۸

(۳) قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۲ :۸۷

مصلحتِ وقت کے تحت) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس (نمازِ تراویح) کی محافظت کی اور لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا اورانہوں نے لوگوں کو اس کی ترغیب دی تو وہ بدعت ہوئی لیکن بدعتِ محمودہ اور ممدوحہ ہے اور اگر وہ بدعت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے خلاف ہو تو وہ مقام ذم میں ہوگی اور یہ معنی خطابی اور دیگر نے بھی کیا ہے تو اِمام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہی معنی آقا علیہ السلام کے خطبہ سے بھی ثابت ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''وشرالامور محدثاتها و کل بدعة ضلالة'' اور اس سے مراد وہ کام ہے جو کتاب و سنت اور عمل صحابہ کے موافق نہ ہو اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے بھی واضح ہوتی ہے کہ ''جس نے اسلام میں کسی اچھی چیز کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس کام کو کریں گے ان کے عمل کا اجر بھی اسے ملے گا اور ان کے اجر میں ذرّہ برابر بھی کمی نہیں ہوگی اور جس کسی نے اسلام میں کسی بری چیز کی ابتداء کی تو اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہوگا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کی برائی کا وبال بھی اس پر ہوگا اور ان کے وبال میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی'' اور یہ اشارہ اس کی طرف ہے جس نے کسی اچھے یا برے کام کی ابتداء کی۔''

۳۔ نمازِ جمعہ سے قبل دوسری اَذان

نماز جمعہ سے پہلے مساجد میں دوسری اَذان جو خطبہ سے پہلے پڑھی جاتی ہے یہ عہدِ عثمانی رضی اللہ عنہ میں شروع کی گئی امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

أن التأذين الثانی يوم الجمعة أمر به عثمان بن عفّان حين كثر أهل المسجد۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعہ، باب الجلوس علی المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳

←

”جمعہ کے دن دوسری اذان کا حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی۔“

امام ابن ابی شیبہؒ (۲۳۵ھ) نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

قال الأذان الاول يوم الجمعة بدعة ۔ (۱)

”ابن عمرؓ نے کہا کہ جمعہ کی پہلی اذان بدعت ہے“

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فيحتمل ان يكون قال ذلك على سبيل الانكار، و يحتمل انه يريد انه لم يكن فى زمن النبى ﷺ و كل ما لم يكن فى زمنه يسمى بدعة، لكن منها ما يكون حسنا و منها ما يكون بخلاف ذلك و تبين بما مضى ان عثمان أحدثه لاعلام الناس بدخول وقت الصلاة قياسا على بقية الصلوات فالحق الجمعة بها و أبقى خصوصيتها بالاذان بين يدى الخطيب، و فيه استنباط معنى من الاصل لا يبطله۔ (۲)

”ایک احتمال یہ ہے کہ یہ فرمان علی سبیل انکار ہو اور ایک احتمال یہ ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ یہ عمل عہدِ رسالت مآب ﷺ میں نہیں تھا اور ہر وہ عمل جو دورِ

...... ۲۔ شمس الحق، عون المعبود، ۳: ۳۰۲

۳۔ واد یاشی، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰۶، رقم: ۶۲۴

۴۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۳: ۳۲۳

(۱) ۱۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۱: ۴۷۰، رقم: ۵۴۳۷

۲۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۲: ۳۹۴

(۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۲: ۳۹۴

نبوی میں نہ ہو اسے بدعت کہا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان اَعمال میں سے کچھ اچھے ہوتے ہیں اور کچھ اِس کے برخلاف۔ سابقہ بحث میں وضاحت ہوچکی ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے (دوسری اَذان کا) یہ عمل دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے لوگوں کو وقتِ صلوٰۃ کے آغاز کی اطلاع دینے کے لئے شروع کیا اور جمعۃ کو اِس (اَذان) سے مختص کر دیا اور اِس اَذان کو خطیب کے سامنے دینے کی خصوصیت کو بھی باقی رکھا۔ اس سے یہ اِستنباط ہوتا ہے کہ یہ عمل معناً اَصل ہے اِس کا اِبطال نہیں کیا جائے گا۔‘‘

علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن ذلک أذان الجمعة الأوّل زاده عثمان لحاجة الناس إليه، و أقرّه عليٌّ واستمرّ عمل المسلمين عليه. وروی عن ابن عمر أنه قال: هو بدعة(۱) ولعله أراد ما أراد أبوه فی قيام شهر رمضان۔(۲)

’’اور اسی طرح جمعہ کی پہلی اذان ہے جس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر زیادہ کیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر قائم رہے اور اس پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کر دیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جمعہ کی دوسری اذان کے بارے میں فرمایا کہ وہ بدعت ہے۔ شاید ان کی مراد بھی وہی ہو جو ان کے والد کی قیام رمضان کے بارے میں تھی‘‘

۴۔ قطع ید کی سزا کی معطّلی

اِسلام میں چوری کی سزا قطع ید ہے، سورہ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) ۱۔ ابن ابی شيبة، المصنف، ۱: ۴۷۰، رقم: ۵۴۳۷

۲۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۲: ۳۹۴

(۲) ابن رجب حنبلیؒ، جامع العلوم والحکم، ۳: ۲۵۲

والسّارق والسّارقة فاقطعوا أيديهما۔(۱)

''اور چوری کرنے والا (مرد) اور چوری کرنے والی (عورت) سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی جب معاملہ خلیفہء وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو آپ نے اس شخص کے ہاتھ کو کاٹنے سے منع کر دیا۔ **امام ابن أبي شیبہ** (۲۳۵ھ) اس واقعہ کی تفصیل نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ان رجلا سرق من بيت المال فكتب فيه سعد الى عمر فكتب عمر إلى سعد ليس عليه قطع له فيه نصيب۔(۲)

''ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں لکھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سعد کو لکھا کہ اس پر قطع ید نہیں ہے، کیونکہ بیت المال میں اس کا حصہ بھی ہے۔''

امام مالکؒ (۱۷۹ھ) مؤطا میں کتاب الحدود، باب ما لا قطع فيه کے ذیل میں نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو الحضرمی اپنے ایک غلام کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور کہا:

إِقْطَعْ يَدَ غُلَامِي هٰذا فَإِنَّهُ سَرَقَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَاذَا سَرَقَ؟ فَقَالَ سَرَقَ مِرْآةً لِاِمْرَأَتِي ثَمَنُهَا سِتُّونَ دِرْهَمًا فَقَالَ عُمَرُ: أَرْسِلْهُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَطْعٌ خَادِمُكُمْ سَرَقَ مَتَاعَكُمْ۔(۳)

(۱) المائده، ۵:۳۸

(۲) ابن ابی شیبه، المصنف، ۵۱۸:۵، رقم: ۲۸۵۶۳

(۳) مالك، المؤطا، كتاب الحدود، باب مالا قطع فيه، ۸۳۹:۲، رقم: ۱۵۲۸

”میرے اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیجئے کیونکہ اس نے چوری کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ چرایا کیا ہے؟ کہا کہ میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ تمہارے ہی خادم نے تمہارے مال کی چوری کی ہے۔“

۵۔ چور کے قطع ید کی بجائے مالک کو دوگنا قیمت ادا کرنے کا حکم

اگرچہ اِسلام میں چوری کی سزا قطع ید ہے مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر سیاستِ شرعیہ کے تحت بھوک کی وجہ سے چوری کرنے والے غلام کے ہاتھ کاٹنے کی بجائے اس کے مالک کو دوگنی قیمت ادا کرنے کا حکم دیا، واقعہ کی تفصیلات کچھ یوں ہیں:

حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کی اُونٹنی چرالی۔ ان غلاموں کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے چوری کا اقرار کر لیا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کثیر بن صلت کو حکم دیا کہ ان غلاموں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ کثیر جب حکم کی تعمیل کے لیے غلاموں کے پاس گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان غلاموں کو واپس بلا لیا اور فرمایا:

لو لا إنی أظن أنکم تجیعونهم حتی ان احدهم أتی ما حرم اللہ عزوجل لقطعت ایدیهم۔(۱)

” اگر مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ تم لوگ غلاموں (سے خوب کام لیتے ہو اور ان) کو بھوکا رکھتے ہو یہاں تک کہ اگر کوئی مجبور ہو کر حرام چیز کھا لے تو وہ حلال ہو جائے تو میں یقیناً ان کے ہاتھ کاٹ ڈالتا۔“

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزنی سے فرمایا کہ اونٹنی کی کیا قیمت ہو گی؟ انہوں نے جواب دیا چار سو درہم، پھر آپ نے غلاموں کے آقا حاطب کو آٹھ سو درہم ادا

(۱) بیہقی، السنن الکبری، ۸:۲۷۸

کرنے کا حکم دیا۔

امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ لوگ بھوک سے دوچار ہوں، اور کوئی شخص مجبور ہوکر چوری کرے تو کیا اس وقت بھی آپ قطع ید کا حکم دیں گے؟ جواب میں فرمایا:

لا أقطعه اذا حملته الحاجة والناس فی شدة و مجاعة۔(۱)

''جب اس کو حاجت مجبور کرے اور لوگ بھوک وسختی کے دور سے گزر رہے ہوں تو ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زمانۂ قحط میں بھی ہاتھ کاٹنے سے منع فرما دیا۔ آپ نے فرمایا:

لا قطع فی عام سنة۔(۲)

''زمانۂ قحط میں قطع ید نہیں ہوگا۔''

۶۔ عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز سے روکنا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک میں خواتین بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ مردوں کے پیچھے کھڑی ہوکر باجماعت نماز میں شریک ہوتی تھیں۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كُنَّ نِسَآءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صَلَاةَ الْفَجْرِ، مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ، ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلٰی بُيُوْتِهِنَّ حِيْنَ يَقْضِيْنَ الصَّلَاةَ، لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ۔(۳)

(۱) ابن قدامه المقدسی، المغنی، ۹:۱۱۸

(۲) ابن قدامه المقدسی، المغنی، ۹:۱۱۸

(۳) ا۔ بخاری، الصحیح، کتاب مواقيت الصلاة، باب وقت الفجر، ۱:۲۱۰، رقم:۵۵۳

←

’’ہم مسلمانوں کی عورتیں حضور ﷺ کے ساتھ نمازِ فجر میں شامل ہونے کی خاطر چادروں میں لپٹی ہوئی حاضر ہوا کرتی تھیں جب نماز سے فارغ ہو جاتیں تو اپنے گھروں کو واپس آ جاتیں اور اندھیرے کے باعث کوئی بھی انھیں پہچان نہیں سکتا تھا۔‘‘

اِمتدادِ زمانہ کی وجہ سے جب حالات بدل گئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے عورتوں کا مردوں کے ساتھ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا بند کر دیا۔

۷۔ مانعین زکوٰۃ سے قتال

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے اِنکار کر دیا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیاستِ شرعیہ کے تحت ایسے لوگوں سے قتال کا حکم دیا جو مرکز کو زکوٰۃ ادا کرنے سے اِنکاری تھے اگرچہ اِبتداءً حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے اس معاملے میں خلیفۂ وقت سے اِختلاف کیا لیکن جب انہیں بھی اِنشراحِ صدر نصیب ہوا تو انہوں نے کہا کہ حق وہی ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس واقعہ کی تفصیل کچھ یوں ہے:

------ ۲۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۴۴۵، رقم: ۶۴۵

۳۔ ابو داود، السنن، ۱: ۱۱۵، رقم: ۴۲۳

۴۔ نسائی، السنن، ۱: ۲۷۱

۵۔ مالك، الموطا، ۱: ۵، رقم: ۴

۶۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۱: ۱۸۰، رقم: ۳۴۹، رقم: ۵۴۵

۷۔ دارمی، السنن، ۱: ۳۰۰، رقم: ۱۲۱۶

۸۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۱: ۴۵۳، رقم: ۱۹۷۲

۹۔ احمد، المسند، ۶: ۳۳، رقم: ۲۴۰۹۷

۱۰۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱: ۵۷۳، رقم: ۲۱۱۸

لما توفى رسول اللهﷺ وكان أبوبكرؓ وكفر من كفر من العرب، فقال عمرؓ: كيف تقاتل الناس؟ و قد قال رسول اللهﷺ: ''أُمرت أن أُقاتل الناس حتى يقولوا: لا اله الا الله، فمن قالها فقد عصم منى ماله و نفسه إلا بحقه، و حسابه على الله" فقال واللہ لَاُ قاتلن من فرق بين الصلوة والزكوة، فان الزكوة حق المال، والله لو منعونى عناقا كانوا يؤدونها الى رسول اللهﷺ لقاتلتهم على منعها . قال عمرؓ: فوالله ما هو الا ان قد شرح الله صدر أبى بكرؓ: فعرفت انه الحق۔(۱)

''جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بنائے گئے تو عرب میں بعض قبائل مرتد ہوگئے ۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ ان لوگوں

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ، ۲:۵۰۷، رقم:۱۳۳۵

۲۔ بخاری، الصحیح، ۶،۲۶۵۷، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ، رقم: ۶۸۵۵

۳۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۵۱، کتاب الایمان، باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ إلا اللہ، رقم: ۲۰

۴۔ ترمذی ،الجامع الصحیح، ۵: ۳، کتاب الایمان، باب أمرت أن أقاتل، رقم:۲۶۰۷

۵۔ ابوداؤد، السنن،۲:۹۳، کتاب الزکاۃ،باب وجوبها، رقم: ۱۵۵۶

۶۔ نسائی، السنن، ۵: ۱۴، کتاب الزکاۃ، باب مانع الزکاۃ، رقم: ۲۴۴۳

۷۔ نسائی، السنن الکبری، ۲: ۲۸۰، رقم: ۳۴۳۲، ۳۴۳۵

۸۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۷، رقم: ۳۳۵

۹۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۴۵۰، رقم: ۲۱۷

۱۰۔ عبدالرزاق، المصنف، ۴: ۴۴، رقم: ۶۹۱۶

سے کیسے لڑیں گے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ کہیں ''نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جس نے یہ کہہ لیا اس نے اپنا مال اور اپنی جان مجھ سے بچالی مگر حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ لے گا۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں ان سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں، کیونکہ زکوٰۃ مالی حق ہے۔ خدا کی قسم اگر انہوں نے رسی بھی روکی جو وہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے تو میں اس روکنے پر ان سے لڑوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا تھا اور انہوں نے جان لیا کہ حق یہی ہے۔''

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) بیان کرتے ہیں کہ اِبتدائی طور پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر حیرت ہوئی اور اِسے اُنہوں نے اَمرِ رسول کے خلاف سمجھتے ہوئے خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا:

يا خليفة رسول الله تألّف النّاس وارفُق بهم فإنّهم بمنزلة الوحش

''اے خلیفۂ رسول ﷺ تالیفِ قلب کے لیے لوگوں پر نرمی فرمایئے کیونکہ یہ جانوروں کی مانند ہیں۔''

یہ سن کر خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

والله لأجاهدنّهم ما استمسک السيف في يدی، و إن منعونی عِقَالاً۔(۱)

''جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے بخدا زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد کروں گا یہاں تک کہ وہ زکوٰۃ کی پوری رقم ادا کر دیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حکمت و دانش دیکھ کر حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے

(۱) ہیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۲۲۰

کہا:

فوجدته في ذلک أمضی مني و أحزم و آدب النّاس علی أمور (۱)

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو میں نے اس معاملہ میں اپنے سے بھی زیادہ مستعد تیار اور اَحکام جاری کرنے والا پایا ہے''۔

۸۔ جرمِ لواطت پر جلانے کی سزا

کسی فعلِ شنیع کو ختم کرنے اور اس کے اَثراتِ بد سے سماج کو بچانے کے لئے تعزیراً سخت سے سخت سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لواطت کے ایک عادی مجرم کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ **علامہ ابن حزم ظاہری** (۴۵۶ھ) اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کے بارے میں لکھ کر بھیجا کہ

أنّه وجد في بعض سواحل البحر رجلاً ینکح کما تنکح المرءة.

''ساحلِ سمندر کے ایک علاقے میں ایک ایسا شخص ہے جس سے عورت جیسا فعل کیا جاتا ہے۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کے بعد انہوں نے یہ جواب دیا:

أن أحرقه بالنّار۔(۲)

''اس کو آگ سے جلا دیا جائے۔''

۹۔ کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ حالات و زمانہ کے بدلنے اور گردشِ زمانہ سے نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان بدلے ہوئے حالات میں اگر منصوص اَحکام

(۱) سیوطی، تاریخ الخلفاء: ۷۲

(۲) ۱۔ ابن حزم ظاہری، المحلی ۱۱: ۳۸۱
۲۔ شوکانی، نیل الأطار، ۷: ۲۸۷

کے ظاہر پر ہی اُمورِ حیات کو موقوف رکھا جائے اور اَحکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت کو نظر انداز کر دیا جائے تو لوگ سخت مشکلات میں مبتلا ہو جائیں گے۔ نصوصِ شرعیہ سے یقیناً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی آگاہ تھے مگر تغیر پذیر حالات سے پیدا ہونے والے مسائل سے نپٹنے کے لیے اُنہوں نے حالات کی رعایت کے تحت مناسب تدابیر اِختیار کی تھیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے اِس مسئلے پر غور کریں کہ قرآن میں ہر کتابیہ عورت سے نکاح کی اِجازت موجود ہے۔ سورہ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِي اَخْدَانٍ۔(۱)

''اور (اسی طرح) پاکدامن مسلمان عورتیں اور ان لوگوں میں سے پاکدامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتب دی گئی تھی۔ (تمہارے لیے حلال ہیں) جب کہ تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو (مگر شرط) یہ کہ تم (انہیں) قیدِ نکاح میں لانے والے (عفت شعار) بنو نہ کہ (محض ہوس رانی کی خاطر) علانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیاستِ شرعیہ کے تحت کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت کر دی۔ اس مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے **امام ابوبکر جصاص**ؒ (۳۷۰ھ) نے یہ واقعہ نقل کیا ہے:

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک یہودیہ سے نکاح کرلیا، جب اس کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے اس سے علیحدگی کا حکم دیا۔ حضرت حذیفہ نے لکھا کہ کیا وہ حرام ہے؟ اس پر عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں حرام تو نہیں کہتا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم لوگ بدکار عورتوں کے جال میں پھنس جاؤ گے۔''(۲)

---

(۱) القرآن، المائدہ، ۵:۵

(۲) أبو بکر جصاص، احکام القرآن، ۲:۳۲۴

۱۰۔ مؤلّفۃ القلوب کی شق کی معطّلی

تالیفِ قلب کے لئے زکوٰۃ دینے کا ثبوت قرآن حکیم میں موجود ہے، سورہ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ۔(۱)

”(بے شک صدقات) ایسے لوگوں کے لیے (بھی) ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو۔“

کمزور ایمان والوں کو زکوٰۃ کی مد سے دینا خود حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عیینۃ بن حصن رضی اللہ عنہ اور اَقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو مالِ زکوٰۃ بطورِ تالیفِ قلب دینے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ:

أنّ رسول الله ﷺ کان یتالّفکما والإسلام یومئذ قلیل و أن الله قد أغنی الاسلام اذھبا فاجھدا جھد کما۔(۲)

”رسول اللہ ﷺ تم دونوں کی اس وقت تالیف کیا کرتے تھے جب کہ اسلام کمزور تھا اور مسلمان تعداد میں کم تھے اب اللہ نے اسلام کو غنی کر دیا ہے تم لوگ جاؤ اور اپنی مالی جدوجہد کرو۔“

عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ اور اَقرع بن حابس رضی اللہ عنہ دونوں صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ اے خلیفہء رسول ﷺ ہمارے یہاں ایک بنجر زمین کا ٹکڑا ہے، جس میں نہ گھاس اُگتا ہے اور نہ کوئی آبادی ہے۔ اگر آپ یہ زمین ہمیں دے دیں تو شاید ہم اس میں کاشت اور زراعت کرلیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں وہ زمین دے دی اور ایک تحریر بھی لکھ دی۔ طلحۃ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ یا کسی اور نے عیینۃ بن حصن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ان صاحب یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی اس معاملہ میں کوئی دخل ہو گا، اس

(۱) القرآن، التوبہ، ۹: ۶۰

(۲) ابو بکر جصاص، احکام القرآن، ۳: ۲۴

لیے یہ تحریر ان کو پڑھا دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحریر پڑھی تو کہا کہ کیا سب لوگوں کو چھوڑ کر یہ صرف تمہارے لیے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سے یہ تحریر مٹا دی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آپ دونوں کی تالیف قلب کرتے تھے اس وقت اسلام کمزور تھا۔ جاؤ اور اب تم دونوں اپنی کوشش سے کماؤ۔(۱)

تالیفِ قلب کے لیے زکوٰۃ دینے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ مؤلفۃ القلوب کی زکوٰۃ سے مدد کرنا اس وقت ضروری تھا جب مسلمان کمزور تھے اور اس تالیف کا مقصد یہ تھا کہ ان کے شر سے بچا جائے اور ان کے قلوب کو مانوس کیا جائے۔ لیکن اب جب کہ مسلمان کثیر تعداد میں ہیں اور انہیں قوت و عزت حاصل ہے، تو اب کسی شخص کو تالیفِ قلب کی غرض سے مالِ زکوٰۃ میں سے دینا جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ کفار کے شر سے مسلمانوں کو تحفظ دلانے کے لیے ہو یا نومسلم لوگوں کا دل موہنے کے لیے، دونوں صورتیں نا جائز ہیں۔(۲)

ابن قدامہ المقدسیؒ (۶۲۰ھ) نے ذکر کیا ہے کہ ایک مشرک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ مال لینے آیا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے نہیں دیا اور فرمایا کہ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔ اس روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

أن مشركا جاء يلتمس من عمر مالا فلم يعطه وقال من شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر۔(۳)

”ایک مشرک مال لینے کی غرض سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ رضی اللہ عنہ نے اسے عطا نہ کیا اور فرمایا اَب جو چاہے اِیمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔“

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ ۷: ۲۰
۲۔ ابن سلام، کتاب الاموال: ۲۷۶
۳۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۴: ۲۱۵
(۲) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۸: ۱۸۱
(۳) ابن قدامہ، المغنی، ۶: ۳۲۷

۱۱۔ مفتوحہ زمینوں کی تنظیم کے بارے میں فیصلہ

حضور ﷺ کے عہدِ مبارکہ میں مفتوحہ زمینوں کی تنظیم و تقسیم کے دو طریق رائج تھے:

۱۔ مفتوحہ زمین فوجیوں میں تقسیم کر دی جاتی۔

۲۔ اَصل باشندوں کے پاس رہنے دیا جاتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مفادِ عامہ کی خاطر اس نظام کو وسعت دی۔ عراق اور شام فتح ہونے کے بعد مفتوحہ زمین اور جائیداد کے بارے میں مشورہ ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تجویز دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> ’’یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں یہ زمین آپ لوگوں میں تقسیم کر دوں اور بعد میں آنے والے لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ دوں کہ اُن کا اس میں کچھ حصہ نہ رہے۔ کیا آپ لوگوں کا یہ مقصد ہے کہ اس کی آمدنی ایک محدود طبقہ میں سمٹ کر رہ جائے اور نسلاً بعد نسلاً اسی طبقہ میں منتقل ہوتی رہے۔ اگر میں نے ایسا کر دیا تو سرحدوں کی حفاظت کس مال سے کی جائے گی؟ بیواؤں اور حاجت مندوں کی کفالت کہاں سے ہوگی؟‘‘

اگرچہ اس تجویز کی مخالفت بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم وغیرہ کی طرف سے ہوئی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معقول اِستدلال کے بعد صحابہ کی بھاری اکثریت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز کی حمایت کی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تجویز دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

دعهم يكونون مادة للمسلمين فترکهم۔(۱)

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۱۳۴

۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۲۲۴

۳۔ عظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ۸: ۱۹۵

←

”زمین کو اس حالت پر چھوڑ دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے لئے مستقل آمدنی کا کام دے لہٰذا زمین کو (اس مقصد کے لئے) چھوڑ دیا گیا۔“

۱۲۔ تاجروں سے عشور کی وصولی

عہد فاروقی سے قبل تجارتی ٹیکس (چونگی) کا کوئی نظام نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ نے بدلتے ہوئے حالات اور بین الاقوامی تقاضوں کے تحت عشور کا نظام قائم کیا۔ زیاد بن حدیر اسدی بیان کرتے ہیں کہ میں پہلا شخص ہوں جسے عراق اور شام پر عشور وصول کرنے کے لیے مقرر کیا گیا، چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں:

بعثني عمر على العشور وأمرني أن لا أفتش أحداً۔(۱)

”حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجھے عشور وصول کرنے کے لیے بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں کسی کی تلاشی نہ لوں۔“

عشور وصول کرنے کے فیصلے کا محرک یہ تھا کہ جب مسلمان دوسرے ممالک میں تجارت کی غرض سے جاتے تو ان سے دس فی صد تجارتی ٹیکس لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی تجارتی ٹیکس مقرر کر دیا لیکن ٹیکس کی رقم میں حسبِ حال تفاوت کو ملحوظ رکھا گیا۔ مثلاً حربیوں سے دس فی صد، ذمیوں سے پانچ فصد اور مسلمانوں سے ڈھائی فی صد وصول کیا جاتا تھا۔ مزید برآں کسی قسم کی زیادتی اور سامان کی تلاشی سے بھی منع کر دیا گیا۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) **تلخیص الحبیر** میں زیاد بن حدیر کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

استعملني عمر الخطاب على العشور وأمرني أن آخذ من تجار

------ ۴۔ حموی، معجم البلدان، ۳: ۲۷۵

۵۔ شوکانی، نیل الاوطار شرح منتقیٰ الاخبار، ۸: ۱۶۲

(۱) ۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۴: ۲۱۶، رقم: ۱۰۵۷۲

۲۔ عظیم آبادی، عون المعبود، ۸: ۲۰۹

أهل الحرب العشر و من تجار أهل الذمة نصف العشر و من تجار المسلمين ربع العشر۔(۱)

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے عشور کی وصولی کے لیے عامل بنا کر بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں حربی تجار سے دس فی صد، ذمیوں سے پانچ فصد اور مسلمانوں سے ڈھائی فی صد وصول کروں''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دین میں ہر نیا عمل ناجائز وحرام نہیں ہوتا بلکہ مصلحتِ وقت اور ضرورتِ زمانہ کے تحت بے شمار اُمور مباح، جائز اور مشروع ہوتے ہیں۔

۱۳۔ مجرم کے لئے شہر بدری کے حکم کی منسوخی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زانی غیر شادی شدہ کے لئے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کا حکم دیا ہے۔ صحیح بخاری کتاب المحاربین میں ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے زنا کے مرتکب بیٹے کا معاملہ لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا: **اقض بيننا بكتاب الله** کہ یا رسول اللہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بیٹے کی سزا سناتے ہوئے ارشاد فرمایا:

و علی إبنک جلد مائة و تغريب عام۔(۲)

''تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے نیز ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے گا۔''

جلاوطنی کے حکم کو معطل کرنے کی تفصیل یہ ہے کہ جب ربیعہ بن امیہ بن خلف کو شراب پینے کے جرم میں سزا ہوئی اور اس کو شہر بدر کیا گیا تو وہ عیسائی ہو گیا اور رومیوں

(۱) ابن حجر عسقلانی، **تلخیص الحبیر**، ۴: ۱۲۸

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب المحاربین، باب الاعتراف بالزنا، ۶: ۲۵۰۲، رقم: ۶۴۴۰

سے جا کر مل گیا۔ اس واقعہ کو **امام نسائی** (۳۰۳ھ) نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، حضرت سعید بن مسیّب بیان کرتے ہیں:

غرب عمر ربیعة ابن اُمیّة فی الخمر إلی خیبر فلحق بهرقل فتنصر فقال عمر لا غرب بعده مسلما۔(۱)

''حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ربیعہ بن اُمیہ کو شراب پینے کی وجہ سے خیبر کی طرف ملک بدر کر دیا۔ وہ بادشاہِ روم ہرقل کے پاس چلا گیا اور عیسائی ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آج کے بعد میں کسی شخص کو جلا وطن نہیں کروں گا۔''

۱۴۔ گھوڑوں اور غلاموں پر صدقہ لینے کا حکم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑوں پر صدقہ مقرر نہیں فرمایا تھا **امام بخاری** (۲۵۶ھ) اپنی صحیح میں کتاب الزکوٰة، باب لیس علی المسلم فی فرسه صدقة میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لیس علی المسلم فی فرسه و غلامه صدقة۔(۲)

''مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ نہیں ہے۔''

اسی طرح امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) ابواب الزکوة میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قَدْ عَفَوْتُ عَنْ صَدَقَةِ الخَیْلِ والرَّقیق۔(۳)

---

(۱) نسائی، السنن، کتاب الاشربة، باب تغریب شارب الخمر، ۸: ۳۱۹، رقم: ۵۶۷۶

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الزکوة، باب لیس علی المسلم فی فرسه صدقة، ۲: ۵۳۲، رقم: ۱۳۹۴

(۳) ترمذی، السنن، ابواب الزکوة، باب ماجاء فی زکوة الذهب والورق، ۳: ۱۶، رقم: ۶۲۰

''میں نے تم سے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی۔''

لیکن اِسلامی مملکت میں جب تجارت اور افزائش نسل کے لیے گھوڑوں کی کثرت ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی خواہش اور صحابہ کے مشورہ کے بعد ان پر صدقہ مقرر کر دیا۔ **امام ابو جعفر طحاویؒ** (۳۲۱ھ) شرح معانی الاثار میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت حارثہ بن مضرب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حججت مع عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ، فأتاه أشراف من أشراف أهل الشام، فقالوا: يا أمير المؤمنين، إنا قد أصبنا دوابّ و أموالاً، فخذ من أموالنا صدقة تطهرنا بها، و تكون لنا زكاة. فقال: هذا شيء لم يفعله اللذان كانا قبلي، و لكن انتظروا حتى أسأل المسلمين، فسأل أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فيهم علي بن أَبي طالب رضی اللہ عنہ، فقالوا: حسن، و علي رضی اللہ عنہ ساكت لم يتكلم معهم. فقال: مالک يا أبا الحسن لا تتكلم؟ قال: قد أشاروا عليک، و لا بأس بما قالوا، إن لم يكن أمراً واجباً ولا جزية راتبة يؤخذون بها۔(۱)

''حضرت حارثہ بن مضرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حج کیا تو ان کے پاس شام کے کچھ معززین آئے، انہوں نے عرض کیا اے امیر المؤمنین! ہمارے پاس مال اور جانور ہیں، ہم سے صدقہ لے کر ہمیں پاک کیجئے۔ وہ ہمارے لئے زکوٰۃ ہوگی۔ آپ نے فرمایا یہ وہ کام ہے جو میرے پیش رو دونوں حضرات (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) نے نہیں کیا، لیکن تم انتظار کرو تاکہ میں مسلمانوں سے پوچھ لوں۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا ان میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مسلمانوں نے کہا ٹھیک ہے (لے لیں)، حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ خاموش تھے انہوں نے کوئی بات نہ کی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابو الحسن! آپ کو

(۱) طحاوی، شرح معانی الاثار، ۲:۷۷

کیا ہوا، آپ گفتگو نہیں کرتے، اس پر انہوں نے فرمایا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو جو رائے دی ہے اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ فرض نہ ہو اور نہ ہی بطور جزیہ لیا جائے۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

أنّ عمر رضی اللہ عنہ كان يأخذ من الفرس عشرة، ومن البرذون خمسة۔(۱)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ عربی گھوڑے میں دس اور عجمی میں پانچ درہم لیتے تھے۔''

۱۵۔ بیت المال سے وظیفہ کا تقرر

اِبتداءً لوگ کسی خدمت کے عوض تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ اسے زہد و ورع اور وقار کے خلاف سمجھتے تھے لیکن یہ بات ایک توسیع پذیر سلطنت کے اُصولِ اِنتظام اور اَمرِ تمدن کے خلاف تھی۔عمال کی دیانتداری اور راست بازی قائم رکھنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی معقول تنخوائیں مقرر کیں۔صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور مالِ غنیمت اس کے علاوہ تھا۔ **علامہ ابن عبد البر** (۴۶۳ھ) الإستيعاب في معرفة الأصحاب میں نقل کرتے ہیں کہ:

لما فرض عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ للناس فرض لأُسامة بن زيد خمسة آلاف و لإبن عمر ألفين فقال إبن عمر فضلت على أُسامة وقد شهدت ما لم يشهد فقال إنّ أُسامة كان أحب إلى رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منك و أبوه أحب إلى رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من أبيك۔(۲)

''جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو اُسامہ بن زید کا وظیفہ پانچ ہزار اور (اپنے بیٹے) ابن عمر کا دو ہزار مقرر کیا۔اس پر ابن عمر نے

(۱) طحاوی، شرح معانی الاثار، کتاب الزکوۃ، باب الخیل، ۲:۲۶

(۲) ابن عبد البر، الإستيعاب في معرفة الأصحاب، ۱:۷۶

عرض کیا کہ آپ نے مجھ پر اُسامہ کو ترجیح دی ہے حالانکہ جتنی جنگوں میں میں نے شرکت کی ہے اُس نے نہیں کی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُسامہ تمہاری نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ محبوب تھا اور اس کا باپ (زید بن حارثہ) تمھارے باپ کی نسبت آپ علیہ السلام کو زیادہ پیارا تھا۔“

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب خود بھی اَمرِ خلافت میں مشغول ہو گئے تو انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلا کر اپنے وظیفے کے بارے میں مشورہ کیا۔ **طبقات الکبری** میں ابن سعدؒ (۲۳۰ھ) بیان کرتے ہیں:

و أرسل إلى أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاستشارهم فقال قد شغلت نفسي في هذا الأمر فما يصلح لي منه؟(۱)

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی طرف آدمی بھیجا اور مشورہ طلب کیا اور فرمایا آپ لوگوں نے مجھے اس اَمر (خلافت) میں مشغول کر دیا ہے اب میرے لئے اس (بیت المال) سے کس حد تک (وظیفہ) لینا جائز ہے؟“

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۳۰۷

فصل سوم

تصور بدعت اور چند عصری نظائر و واقعات

۱۔ اسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ

۲۔ پختہ مساجد کی تعمیر کا مسئلہ

۳۔ قرآن کا ترجمہ و تفسیر

۴۔ دینی علوم و فنون کی تنظیم و تدوین

دین کی اصل روح کو سمجھنا ضروری ہے

دینِ اسلام میں حکمت و مصلحت وہ دائمی اُصول ہے جو اسے زمانوں اور معاشروں کے بدلتے ہوئے حالات اور زندگی کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ رکھتا ہے اور ان کی تکمیل کے ذریعے معاشرے کو ابدالاباد تک تحرک اور تسلسل عطا کرتا ہے، اسی اصول کے باعث اسلامی نظامِ حیات میں جمود پیدا نہیں ہونے پاتا۔ یہی اُصول اسلامی احکام کی دائمی اور متحرک عملیّت اور لا یزال مطابقیت برقرار رکھتا ہے جس سے اس نظام کی تازگی ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ اس ضمن میں تصورِ بدعت کی مزید تفہیم کے لے چند شہادتیں عصری نظائر و واقعات کے تناظر میں پیش کی جاتی ہیں تاکہ یہ واضح کیا جا سکے کہ اسلام عصری ضروریات و حالات کی رعایت کرتے ہوئے قیامت تک کے لیے تمام انسانوں کی حاجات کی کفایت کرتا ہے۔

ا۔ اسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ

شریعت نے اِس اَمر کو تو ضروری قرار دیا کہ مسلمانوں کی نمائندہ حکومت ہونا چاہئے لیکن اس کا انتخاب کس طرح ہو، حکومت کی تشکیل کس نظام کے تحت کی جائے، اس کے اِدارے کس طرح وجود میں آئیں اور پھر ان میں اختیارات کی تقسیم کس اُسلوب پر ہو؟ ان تفصیلات کے متعلق بالعموم شریعت نے خاموشی اختیار کی ہے۔ کیونکہ ہر مسلمان ریاست اپنی صوابدید کے مطابق جو نظام ضروری سمجھے اسے اِختیار کرنے کی مجاز ہے۔

اِسی طرح طرزِ انتخابات کی طرح طرزِ حکومت کو بھی اُمت کی اجتماعی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ آپ وفاقی نظام حکومت قائم کریں یا وحدانی، پارلیمانی طرز کا نظام نافذ کریں یا صدارتی، اِس کو خلافت کا نام دیں یا امارت کا، اسلام اور شریعتِ محمدی ﷺ کو

اس سے کوئی سروکار نہیں اگر نظامِ حکومت اسلامی قواعدِ مشاورت کے مطابق ہے تو وہ اسلامی ہے ورنہ غیر اسلامی، خواہ زمامِ اقتدار انتہائی مذہبی طبقے کے ہاتھ میں ہی کیوں نہ ہو۔

اِسلام میں چونکہ کوئی خاص طرزِ حکومت متعین نہیں ہے لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ نے اس اُمت میں ظہور پذیر ہونے والی مختلف حکومتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اوّل هذا الامر نبوة و رحمة ثم يكون خلافة و رحمة ثم يكون ملكا و رحمة ثم يكون إمارة و رحمة ثم يتكادمون عليها تكادم الحمير فعليكم بالجهاد و ان أفضل جهادكم الرباط و ان أفضل رباطكم عسقلان۔(۱)

''اس دین کا اول نبوت اور رحمت ہے، پھر خلافت اور رحمت ہے، پھر ملوکیت اور رحمت ہے، پھر امارت اور رحمت ہے، پھر لوگ گدھوں کی طرح حکومت کو دانتوں سے کاٹیں گے، اس وقت تم پر جہاد لازم ہے اور تمہارا سب سے افضل جہاد سرحدوں کی نگرانی ہے اور تمہاری سب سے افضل سرحد عسقلان(۲) ہے۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے اس اُمت میں برسرِ اِقتدار آنے والے مختلف حکمرانوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

سيكون من بعدى خلفاء و من بعد الخلفاء أمراء و من بعد الأمراء ملوك و من بعد الملوك جبابرة ثم يخرج رجل من اهل بيتى

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۱: ۷۳، رقم: ۱۱۱۳۸
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۵: ۱۹۰

(۲) قدیم فلسطینِ کبریٰ کا ایک شہر جو کہ صلیبی جنگوں میں ایک اہم عسکری مقام تھا۔ (المنجد فی الأعلام: ۳۷۴)

یملأ الأرض عدلا کما ملئت جوراً ثم یؤمر القحطانی فوالذی بعثنی بالحق ماھو دونه۔(۱)

”حضور ﷺ نے فرمایا عنقریب میرے بعد **خلفاء** ہوں گے اور خلفاء کے بعد **امراء** ہوں گے، امراء کے بعد **ملوک** ہوں گے اور ملوک کے بعد **جابر حکمران** ہوں گے پھر میرے اہل بیت میں سے ایک ایسا شخص آئے گا جو زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ اس سے قبل ظلم وستم سے بھری ہوگی۔“

حضور نبی اکرم ﷺ کے اِن فرامین سے ثابت ہوتا ہے کہ اِسلام میں کسی خاص قسم کی حکومت متعین نہیں بلکہ بدلتے ہوئے حالات وزمانہ کے مطابق اس میں تبدیلی اور ترمیم بھی ہوسکتی ہے۔

۲۔ پختہ مساجد کی تعمیر کا مسئلہ

اِسلام کے دورِ اوائل میں پختہ مکانات بنانا ناپسند خیال کیا جاتا تھا لہٰذا مسجد کو بھی پختہ بنانا ناجائز تصور کیا جاتا رہا۔ اسی طرح دورِ نبوی میں مسجد کے محراب کا بھی رواج نہیں تھا۔ **علامہ نورالدین سمہودیؒ** (۹۱۱ھ) وفاء الوفاء میں ذکر کرتے ہیں کہ مساجد کے محراب حضور ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں نہ تھے بلکہ سب سے پہلے اسے عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۱ھ) نے بنوایا۔(۲) پھر جب اِسلامی سلطنت کی حدیں شرق وغرب تک

(۱) ۱۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۵:۱۹۰

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲:۳۷۴، رقم:۹۳۷

۳۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۵:۴۵۶، رقم:۸۷۳۱

۴۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۳:۲۱۴

۵۔ ابن ابی حاتم الرازی، الجرح والتعدیل، ۲:۴۹۴، رقم:۲۰۲۹

(۲) ۱۔ سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ۱۰: ۳۷۲

۲۔ عبدالحئی لکھنوی، فتاویٰ، ۱۰:۱۰۸

پھیل گئیں، تہذیب و ثقافت اور رہن سہن کے طریقوں میں تبدیلیاں آ گئیں، لوگوں نے اپنی رہائش کے لئے بڑے بڑے کشادہ اور پختہ مکانات بنانا شروع کر دیئے۔ بنو اُمیہ اور بنوعباس کے دورِ حکومت اور مابعد اسلامی مملکت کے جاہ و جلال کے دور میں مسلمانوں نے عالی شان محلات تعمیر کرنا شروع کر دیئے تو علماءِ اُمت نے وقت کے تقاضوں کے مطابق اللہ کے گھروں کی تعمیر کو بھی اسی طرح نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ عظمتِ اسلام کے پیش نظر ضروری قرار دیا۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ دین کو اگر ظاہری لفظوں سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس سے (إلا ماشاء اللہ) گمراہی کے سوا کچھ نہیں ملتا، لیکن اگر دین کی اصل روح اور اس میں کارفرما حکمتوں پر غور کر کے اس کے احکام کو پرکھا جائے تو یہی دین ہدایت کا باعث بنتا ہے اور اس کا صحیح فہم پیدا ہوتا ہے۔

اگر مساجد کی تعمیر میں تبدیلی پر غور کیا جائے تو اس کی مصلحت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اُس وقت لوگوں کے اپنے گھر کچے ہوتے تھے لہٰذا اللہ کے گھر کا کچا ہونا باعثِ عار نہ تھا لیکن جب لوگوں کے اپنے مکانات پختہ محلات میں بدل گئے تو خانۂ خدا کی وجاہت اور ظاہری شان و شوکت کے پیش نظر پختہ اور خوبصورت مساجد کی تعمیر کا فتویٰ دے دیا گیا۔

۳۔ قرآن کا ترجمہ و تفسیر

اسی طرح قرآن کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے ضروری تھا کہ اس کے تراجم اور تفاسیر بھی مختلف ممالک کے لوگوں کی زبان اور فہم کے مطابق ہوں لیکن دین کے بارے میں ظاہری الفاظ پر نظر رکھنے والا ناپختہ اور انتہا پسند جامد ذہن ہر دور میں ہونے والے نئے کام کی مزاحمت (Resistance) میں پیش پیش رہا ہے چنانچہ **حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی**رحمہ اللہ (۱۱۷۶ھ) نے ہندوستان میں جب پہلی مرتبہ اسی ضرورت کے پیش نظر قرآن حکیم کا ترجمہ فارسی میں کیا تو یہاں کے ظاہربین علماء نے ان کے خلاف بہت

شور مچایا اور کفر و بدعت کے فتوے صادر کئے کہ قرآن کو عربی زبان سے فارسی میں منتقل کیا جا رہا ہے لیکن آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ نئی بدعت مصلحتِ وقت اور عین تقاضائے تبلیغ دین تھی جبکہ فتویٰ لگانے والے اس وقت اِس دینی مصلحت سے ناآشنا تھے۔

۴۔ دینی علوم وفنون کی تنظیم و تدوین

امام عزالدین بن عبد السلام السلمی الشافعیؒ (۶۶۰ھ) ''قواعد الاحکام فی مصالح الانام'' میں دینی علوم وفنون کی تدوین کو بدعتِ واجبہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

و للبدع الواجبة أمثلة منها الاشتغال بعلم النحو الذی یفهم به کلام اللہ تعالیٰ و کلام رسول اللہ ﷺ، و ذٰلک واجب لان حفظ الشریعة واجب، ولایتأتیٰ حفظها الا بمعرفة ذٰلک، وما لایتمُّ الواجبُ الابه فهو واجبٌ، الثانی: حِفُظُ غریبِ الکتاب والسنة من اللغة، الثالث: تدوین اُصول الدین و اُصول الفقه، الرابع: الکلام فی الجرح والتعدیل، لتمییز الصحیح من السقیم، وقد دَلَّت قواعدُ الشریعة علی أنَّ حِفُظَ الشریعةِ فرض کفایة فیما زاد علی القَدُرِ المُتَعَیِّن ولا یتأتیٰ حفظ الشریعة الا بما ذکرناه۔(۱)

''بدعات واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن و حدیث کا سمجھنا موقوف ہے، یہ اس لیے واجب ہے کہ علم شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن و حدیث کے بغیر علم شریعت حاصل نہیں ہوسکتا اور جس چیز پر کوئی واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ دوسری مثال ہے قرآن اور حدیث کے معانی جاننے کے لئے علم لغت کا حاصل کرنا، تیسری مثال ہے دین کے قواعد اور اصول فقہ کو مرتب کرنا چوتھی مثال سندِ حدیث میں جرح اور تعدیل کا

(۱) عزالدین، قواعد الأحکام فی مصالح الأنام، ۲: ۳۳۷ و أیضاً فی فتاوی العز بن عبدالسلام: ۱۱۶

علم حاصل کرنا تاکہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز ہو سکے اور قواعدِ شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات سے زیادہ علم شریعت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ علم مذکور الصدر علوم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔‘‘

اگر ہر نیا کام جو عہدِ رسالت مآب اور عہدِ صحابہ میں متداول اور معمول بہ نہ تھا محض اپنے نئے ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار پائے تو تعلیماتِ دین اور فقہ اسلامی کا بیشتر حصہ ناجائز کے زمرے میں آجائے گا اور اجتہاد کی ساری صورتیں، قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ، استحصاب، استدلال اور استنباط کی جملہ شکلیں ناجائز کہلائیں گی۔ اسی طرح دینی علوم وفنون مثلاً اُصولِ تفسیر، اُصول حدیث، فقہ و اُصولِ فقہ، ان کی تدوین، اور ان کو سمجھنے کے لئے صرف ونحو، بلاغت ومعانی، منطق وفلسفہ اور دیگر معاشرتی ومعاشی جملہ علومِ خادمہ جو فہمِ دین کے لئے ضروری اور عصری تقاضوں کے مطابق لابدی ہیں ان کا سیکھنا، سکھانا بھی حرام قرار پائے گا کیونکہ یہ سب علوم وفنون اپنی موجودہ شکل میں نہ عہدِ رسالت میں موجود تھے نہ ہی عہدِ صحابہ کرام میں، انہیں تو بعد میں ضرورت کے پیش نظر وضع اور مرتب کیا گیا۔ یہ تمام علوم و فنون اپنی ہیئت، اُصول، اِصطلاحات، تعریفات اور قواعد وضوابط کے اعتبار سے نئے ہیں اس لئے بلا شک وشبہ بدعتِ لغوی کے زمرے میں آتے ہیں۔ مزید برآں اگر ہر نیا کام بدعتِ شرعی اور ضلالت وگمراہی قرار پائے تو دینی مدارس کی مروجہ تعلیم و تدریس اور نصابات کا بیشتر حصّہ بھی گمراہی قرار پائے گا کیونکہ موجودہ درس نظامی کے نصابات کے مطابق درس و تدریس نہ تو حضور ﷺ کے زمانہ اقدس میں تھی اور نہ ہی اس طرح کسی صحابی نے تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کا طریقہ نہایت سادہ تھا۔ وہ فقط قرآن و حدیث کا سماع کرتے اور اسے آگے روایت کرتے تھے۔

دین کی اصل روح کو سمجھنا ضروری ہے

اسلام کے ساتھ یہ المیہ رہا ہے کہ سطح بینی سے اس کا مطالعہ کرنے والے چھوٹی چھوٹی باتوں کو کفر و اِیمان کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور دین کی اصل روح اور اس میں کارفرما وسیع تر مفاد اور حکمت کو نظر اَنداز کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان نسل جن کے سامنے

دین کی اصل روح نہیں رکھی جاتی بلکہ لفظوں کی ہیر پھیر سے دین کو متعارف کرایا جاتا ہے، روز بروز اسلام سے دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لئے کہ کہیں تو ذاتی مفادات کے پیش نظر اور کہیں نادانی کی بنا پر مذہبی ذمہ دار لوگوں نے (اِلا ماشاء اللہ) لفظی موشگافیوں سے دین کو دشوار بنا دیا ہے، جس سے نوجوان نسل بالعموم اور نیا تعلیم یافتہ طبقہ بالخصوص جو پہلے ہی مغربی تہذیب و ثقافت اور اس کی ذہنی وفکری یلغار کا نشانہ بنا ہوا ہے، دین سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ اگر ہم صدق دل سے دین کے اُصول و قوانین اور شریعتِ اسلامیہ کے دلکش پہلو اس پریشان کن دور میں اپنے پیش نظر رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ لوگ پھر سے عظمتِ اسلام کی بازیابی کے لئے کمربستہ نہ ہو جائیں۔

باب:٦

قرونِ اُولیٰ اور تصورِ بدعت

❁ قرونِ اُولیٰ میں اہلِ بدعت کن کو کہا جاتا تھا؟

۱۔ خوارج

۲۔ مُرجئۃ

۳۔ مُعتزلہ

۴۔ جَہُمِیَّہ

۵۔ روافض و باطنیہ

۶۔ قدریہ

❁ قرونِ اُولیٰ میں مستحبات اور مستحسنات کی سطح کے اُمور پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا

❁ تابعین اور تبع تابعین اہل بدعت سے اجتناب کرتے تھے

❁ قرونِ اولیٰ میں بدعت کا اِطلاق صرف کفریہ عقائد پر ہوتا تھا

قرونِ اُولیٰ میں اہلِ بدعت کن کو کہا جاتا تھا؟

قرونِ اُولیٰ میں گستاخانِ رسول، مخالفینِ صحابہ اور کفریہ عقائد کے حاملین کو اہلِ بدعت کہا جاتا تھا۔متعدد اَحادیثِ مبارکہ اور آثارِ صحابہ اس بات پر شاهد عادل ہیں کہ دورِنبوی اور عہدِ صحابہ میں اُمورِ خیر اور اَعمالِ صالحہ کا اِجراء کرنے والوں کو اہلِ بدعت نہیں کہا جاتا تھا بلکہ اسکے برعکس بدعتی اُن کو کہا جاتا جو **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ**(۱) کے مخالف تھے اور جمہور اُمت کی اِتباع کی بجائے محدثات الأمور اور اِختلافِ کثیر کے پیچھے پڑے رہتے۔یہ وہ لوگ تھے جو سوادِ اعظم کی اِتباع کی بجائے اپنے خود ساختہ عقائد کی بنا پر اُمت کی اِجتماعیت کو نقصان پہنچانے کا موجب بنتے۔ اِن اَہلِ بدعت اور فرقِ باطلہ کے درج ذیل معروف طبقات ہیں:

۱۔ خوارج

۲۔ مُرجئہ

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة،۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۳۔ مُعتزلہ

۴۔ جَہُمِیَّہ

۵۔ روافض و باطنیہ

۶۔ قدریہ

۱۔ خوارج

اِسلام کو اپنے اَوائل دور سے ہی جس بڑے اور پہلے فتنے کا سامنا کرنا پڑا اُسے فتنۂ خوارج کہتے ہیں۔ اگرچہ خارجیوں کا باقاعدہ آغاز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا لیکن اِن کی فتنہ پروری اور سازشوں کا آغاز بہت پہلے ہو چکا تھا۔ چنانچہ **علامہ ابن تیمیہ** (۷۲۸ھ) خوارج کو تاریخِ اسلام کی سب سے پہلی بدعت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فکان من اول البدع والتفرق الذی وقع فی هذه الأُمة بدعة الخوارج۔(۱)

''اس امت میں سب سے پہلی بدعت اور تفرقہ جو واقع ہوا وہ خوارج کی بدعت تھی۔''

دوسرے مقام پر علامہ ابنِ تیمیہ بیان کرتے ہیں کہ خوارج اہلِ بدعت میں سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد سب سے پہلے خروج کیا۔ وہ اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں:

والنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انما ذکر الخوارج الحروریة، لأنهم أول صنف من أهل البدع خرجوا بعده؛ بل أولهم خرج في حياته فذكرهم لقربهم من زمانه۔(۲)

(۱) ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۱۲: ۴۷۰

(۲) ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۲۸: ۴۷۶

''حضور ﷺ نے خوارجِ حروریہ کا ذکر کیا کیونکہ یہ اہل بدعت کا وہ طبقہ تھا جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد سب سے پہلے خروج کیا، بلکہ ان کے پہلے طبقے نے آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں خروج کیا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اپنے زمانہ کے ساتھ ان کے قرب کی وجہ سے ان کا ذکر کیا۔''

فتنۂ خوارج کی اِبتدا کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ جنگ صفین (۳۷ھ / ۶۵۷ء) کے بعد بالآخر فیصلہ کیا گیا کہ طرفین سے دو معتمد اشخاص کو حَکَم بنایا جائے جو قرآن وسنت کے مطابق کوئی ایسی تدبیر نکالیں جس سے لڑائی کا مستقل خاتمہ ہو سکے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ اورحضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حَکَم مقرر ہوئے اورطرفین سے عہد نامہ لکھا گیا جس کے نتیجہ میں لڑائی تھم گئی۔ اشعث بن قیس نے یہ عہد نامہ لیکر ہر ہر قبیلہ کے افراد کو سنانا شروع کردیا۔ جب وہ قبیلہ بنی تمیم کےلوگوں کے پاس آئے جن میں ابو بلال کا بھائی عروۃ بن أدیۃ بھی تھا اوران کو پڑھ کر سنایا تو عروۃ نے بطورِ احتجاج یہ آواز بلند کی:

تحكمون فی أمرالله الرجال؟ لاحكم إلا لله۔(۱)

''تم اللہ کے امر میں انسانوں کو حَکَم بناتے ہو؟ سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب صفین سے واپس کوفہ پہنچے تو ان کو خوارج کے اس عمل سے

(۱) ۱۔ طبری، تاریخ الامم و الملوك، ۳: ۱۰۴
۲۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۷: ۵۵۷، رقم: ۳۷۹۰۷
۳۔ ابن سعد، الطلقات الكبری، ۳: ۳۲
۴۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱: ۱۶۰
۵۔ ابن اثیر، الكامل فی التاریخ، ۳: ۱۹۶
۶۔ ابن جوزی، المنتظم، ۵: ۱۲۳
۷۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۹ ۲۱، رقم: ۳۴۱۵

آ گاہی حاصل ہوئی تو آپ نے فرمایا:

كلمة حق أريد بها باطل، إن سكتوا غممناهم و إن تكلموا حججناهم و إن خرجوا علينا قاتلناهم ۔(۱)

’’بات تو حق ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے۔ اگر وہ خاموش رہے تو ہم ان پر چھائے رہیں گے اور اگر انہوں نے کلام کیا تو ہم ان پر دلیل لائیں گے اور اگر وہ ہمارے خلاف نکلے تو ہم ان سے لڑیں گے۔‘‘

امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) نے بعض الفاظ کے تغیر کے ساتھ مذکورہ روایت کو باب التحریض علی قتل الخوارج میں نقل کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِى رَافِعٍ مَوْلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَنَّ الْحَرُوْرِيَّةَ لَمَّا خَرَجَتْ وَهُوَ مَعَ عَلِيِّ بْنِ أَبِى طَالِبٍ رضی الله عنه قَالُوا لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ قَالَ عَلِيٌّ رضی الله عنه: كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيْدَ بِهَا بَاطِل... الحديث۔(۲)

’’رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت عبد اللہ بن ابی رافع رضی الله عنه بیان کرتے ہیں کہ

(۱) ۱۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۳: ۲۱۲، ۲۱۳

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۳: ۱۱۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، ۲:۷۴۸، رقم: ۱۰۶۶

۲۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۱۶۰، رقم: ۸۵۶۲

۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷: ۵۶۲، رقم: ۳۷۹۳۰

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۳۸۷، رقم: ۶۹۳۹

۵۔ ابن ابی عاصم، السنۃ، ۲: ۴۵۳، رقم: ۹۲۷

۶۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸: ۱۷۱، رقم:

۷۔ ابو نعیم أصبهانی، المسند المستخرج علی صحیح الإمام مسلم، ۳: ۱۳۴، رقم: ۲۳۷۸

حروریہ کا جس وقت ظہور ہوا تو وہ (یعنی حضرت عبد اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اُن (خوارج) نے کہا اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ حق بات ہے جس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے۔‘‘

مختصر یہ کہ خوارج نے فوج کا ساتھ چھوڑ دیا اور حروراء کے گاؤں میں جا کر لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا وہ لوگوں کو پہاڑوں یا دوسرے شہروں کی طرف نکلنے کا مشورہ دیتے یہاںتک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کو **بدعة ضلالة** تک کہا گیا آخرکار ان لوگوں نے آپس کے مشورہ سے ’’**الحکم للّٰہ**‘‘ کے اجراء کے لئے کوفہ سے نکل کر نہروان کے مقام کو پسند کیا اور سب وہاں جمع ہوگئے۔ خارجیوں کی تشدّد پسند اور فتنہ انگیز سرگرمیوں کو روکنے کے لیے حضرت علی اور اِن کے درمیان ۹ صفر ۳۸ ھجری کو نہروان کے مقام پر جنگ ہوئی جس میں خوارج کو ذلت آمیز شکست ہوئی۔

خوارج کی اہم بدعات

۱۔ گناہِ کبیرہ کا مرتکب دائمی جہنمی ہے اور اس کا خون اور مال حلال ہے۔

۲۔ جس نے اپنے عمل اور غیر صائب رائے سے قرآن کی مخالفت کی وہ کافر ہے۔

۳۔ ظالم اور فاسق حاکم کے خلاف خروج لازم ہے۔

۴۔ وہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اور ان کے متبعین سے مروی روایات کا انکار کرتے تھے۔

۵۔ اخبارِ اُحاد مثلاً اَحادیثِ رجم وغیرہ کا اِنکار کرتے تھے۔(۱)

خوارج کے کفریہ عقائد اور مسلمانوں خلاف ان کے ظالمانہ اور متعصّبانہ رویے کو بیان کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

(۱) ۱۔ عبد القاہر بغدادی، الفرق بین الفرق: ۷۳
۲۔ ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۱۳: ۳۱

فكانوا كما نعتهم النبي ﷺ ''يقتلون اهل الاسلام ويدعون اهل الاوثان''(١) وكفروا علي بن ابي طالب وعثمان بن عفان ومن والاهما. وقتلوا علي بن أبي طالب مستحلين لقتله. قتله عبدالرحمن بن ملجم المرادي منهم، وكان هو وغيره من الخوارج مجتهدين فى العبادة، لكن كانوا جهالاً فارقوا السنة والجماعة: فقال هؤلاء: ما الناس إلا مؤمن او كافر ؛ والمؤمن من فعل جميع الواجبات وترک جميع المحرمات: فمن لم يكن كذلک فهو كافر: مخلد فى النار. ثم جعلوا كل من خالف قولهم كذلک . فقالوا: ان عثمان وعلياً ونحوهما حكموا بغير ما انزل الله، وظلموا فصاروا كفاراً۔(٢)

''وہ (خوارج) ایسے لوگ تھے جن کی صفت حضور ﷺ نے یہ بیان کی تھی کہ ''وہ اہلِ اسلام سے لڑیں گے اور بت پرستوں سے صلح رکھیں گے'' انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور اُن کے پیروکاروں کی تکفیر کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خون کو مباح قرار دیتے ہوئے اُن سے جھگڑا کیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبد الرحمن بن ملجم المرادی نے شہید کیا جو کہ خارجیوں میں سے تھا۔ یہ اور اِسکے علاوہ دیگر خوارج ''مجتہد فی العبادۃ'' تھے لیکن حقیقت میں وہ جاہل تھے انہوں نے سنت اور جماعت کو توڑا۔ ان کے

(١) ١۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأنبياء، ٣: ١٢١٩، رقم: ٣١٦٦
٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكوٰة، باب إعطاء المؤلفة، ٢: ٧٤١، رقم: ١٠٦٤
٣۔ ابو داود، السنن، ٤: ٢٤٣، رقم: ٤٧٦٤
٤۔ نسائی، السنن، ٥: ٨٧، رقم: ٢٥٧٨
٥۔ احمد بن حنبل، المسند، ٣: ٦٨، رقم: ١١٦٦٦
(٢) ابن تيميه، مجموع الفتاویٰ، ٧: ٤٨١

عقیدے کے مطابق اِنسان مؤمن ہو گا یا کافر۔ لہٰذا ان کے نزدیک مؤمن وہ ہے جو تمام واجبات پر عمل کرے اور تمام محرّمات کو ترک کرے۔ جو ایسا نہیں کرتا وہ کافر اور دائمی جہنمی ہے۔ پھر انہوں نے ہر اُس شخص کی اِسی طرح تکفیر کرنا شروع کر دی جس نے ان کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا کہ عثمانؓ، علیؓ اور ان کی طرح دیگر لوگوں نے اللہ کے نازل کردہ احکام کے خلاف حکومت کی اور ظلم کا اِرتکاب کیا ہے پس یہ سارے کافر ہو گئے‘‘

اگر خوارج کے عقائد اور ان کی خصوصیات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ خوارج نے نہ صرف سنت سے خروج کیا بلکہ مسلمانوں کے خون کو بھی مباح قرار دیا۔ علامہ ابنِ تیمیہ خوارج کی اہم خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولهم خاصتان مشهورتان فارقوا بهما جماعة المسلمين وأئمتهم: أحدهما: خروجهم عن السنة، وجعلهم ماليس بسيئة سيئة، أو ماليس بحسنة حسنة، وهذا هو الذي أظهروه في وجه النبي ﷺ حيث قال له ذوالخويصرة التميمي: ”إعدل فإنک لم تعدل“ حتى قال له النبي ﷺ: ”ويلک! ومن يعدل إذا لم أعدل؟“[1] لقد

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأدب، باب ماجاء في قول الرجل ويلك، ۵: ۲۲۸۱، رقم: ۵۸۱۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج و صفاتهم، ۲: ۷۴۴، رقم: ۱۰۶۴

۳۔ نسائی، السنن الكبرى، ۵: ۱۵۹، رقم: ۸۵۶۰۔ ۸۵۶۱، ۶: ۳۵۵، رقم: ۱۱۲۲۰

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۶۵، رقم: ۱۱۶۳۹

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۵: ۱۴۰، رقم: ۶۷۴۱

۶۔ بيهقی، السنن الكبرى، ۸: ۱۷۱

۷۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱۰: ۱۴۶

خبت وخسرت إن لم أعدل'' فقوله: ''فانک لم تعدل'' جعل منه لفعل النبي ﷺ سفها وترک عدل، وقوله: ''اعدل'' أمر له بما اعتقده هو حسنة من القسمة التى لا تصلح، وهذا الوصف تشترک فيه البدع المخالفة للسنة، فقائلها لا بد أن يثبت مانفته السنة و ينفى ما أثبتته السنة، ويحسن ما قبحته السنة أو يقبح ما حسنت السنة، وإلا لم يكن بدعة. وهذا القدر قد يقع من بعض أهل العلم خطأ فى بعض المسائل؛ لكن أهل البدع يخالفون السنة الظاهرة المعلومة. والخوارج جوزوا على الرسول نفسه أن يجور ويضل في سنته ولم يوجبوا طاعته متابعته، وإنما صدقوه فيما بلغه من القرآن دون ماشرعه من السنة التى تخالف۔بزعمهم ظاهر القرآن.

وغالب أهل البدع غير الخوارج يتابعونهم فى الحقيقة على هذا: فانهم يرون أن الرسول لو قال بخلاف مقالتهم لما اتبعوه، كما يحكى عن عمرو بن عبيد فى حديث الصادق المصدوق، وإنما يدفعون [عن] نفوسهم الحجة: اما بردّ النقل: وإما بتأويل المنقول. فيطعنون تارة في الاسناد وتارة في المتن، وإلا فهم ليسوا متبعين ولا مؤتمين بحقيقة السنة التى جاء بها الرسول، بل ولا بحقيقة القرآن.

الفرق الثانى فى الخوارج وأهل البدع: انهم يكفرون بالذنوب والسيئات. ويترتب على تكفيرهم بالذنوب استحلال دماء المسلمين وأموالهم و ان دار الاسلام دار حرب و دارهم هي دار الايمان. وكذلک يقول جمهور الرافضة؛ وجمهور المعتزلة؛ والجهمية؛ وطائفة من غلاة المنتسبة إلى أهل الحديث والفقه ومتكلميهم۔(۲)

(۲) ابنِ تیمیه، مجموع فتاویٰ، ۱۹: ۷۲، ۷۳

’’خوارج کی دو مشہور خصوصیات ہیں جن سے انہوں نے مسلمانوں کی جماعت اور اِن کے ائمہ میں تفرقہ پیدا کیا۔

اِن کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے سنت سے خروج کیا اور اُن اُمور کو گمراہی قرار دیا جو فی الحقیقت گمراہی نہیں تھے یا اُن اُمور کو حسنہ قرار دیا جو حسنہ نہیں تھے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس کا اظہار انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے کیا جب ذوالخویصرہ تمیمی نے آپ ﷺ سے کہا: **اعدل فإنک لم تعدل،** یعنی آپ انصاف کریں، آپ نے انصاف نہیں کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: **”وَيْلَکَ، وَمَنْ يَعْدِلُ اِذَا لَمْ اَعْدِلْ؟ قَدْ خِبْتُ وَخَسِرْتُ اِنْ لَمْ اَعْدِلْ“** ’’یعنی تیری خرابی ہو، اگر میں انصاف نہ کروں تو اور کون انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو ناکام و نامراد رہ جاؤں گا‘‘۔ ذو الخویصرہ تمیمی نے اپنے قول ’’**فإنک لم تعدل**‘‘ سے حضور ﷺ کے فعل کو غیر معقول عمل اور ترکِ عدل پر محمول کیا۔ اسی طرح اس کے قول ’’**اعدل**‘‘ سے اسکا اعتقاد یہ تھا کہ اسکی بات حسنہ ہے بہ نسبت (حضور ﷺ کی) اس تقسیم کے جو (اِس کے نزدیک) مبنی بر انصاف نہیں تھی (معاذ اللہ)۔ یہی وہ (خوارج کا) وصف ہے جو مبنی بر بدعت اور مخالفِ سنت ہے۔ اس عقیدے کا حامل بدیہی طور پر ایسی بات کا اِثبات کرتا ہے جس کی سنت نفی کرے اور ایسی بات کی نفی کرتا ہے جس کو سنت ثابت کرے۔ اسی طرح یہ ایسی بات کی تحسین کرتا ہے جس کو سنت قبیح جانے اور ایسی بات کو قبیح جانتا ہے جس کو سنت حسنہ جانے اگرچہ وہ بدعت نہ ہی ہو۔ اور اس رویہ کی وجہ سے بعض اہلِ علم سے بعض مسائل میں خطاء واقع ہوئی ہے۔ مزید برآں اہلِ بدعت (کی علامت یہ ہے کہ وہ) معروف و معلوم سنت کی مخالفت کرتے ہیں۔

خوارج نے بزعمِ خویش یہ جواز گھڑ لیا کہ اگر رسول بھی اپنی کسی سنت سے انحراف و اعراض برتے تو اسکی اطاعت واجب نہیں ہے۔ یہ (خوارج) صرف

ان اُمور کی تصدیق کرتے جو ان کے پاس قرآن کی صورت میں پہنچتے اور اس مشروع سنت کا اِنکار کرتے جو ان کے زُعمِ باطل میں ظاہرِ قرآن کے مخالف ہوتی۔

خوارج کے علاوہ دیگر اہلِ بدعت کی اکثریت حقیقت میں اِن اُمور میں اِن کی متابعت کرتی ہے۔اِن کی رائے میں اگر رسول بھی اپنے قول کے مخالف بات کرے تو اِس کی اتباع نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ عمرو بن عبید سے مروی روایت میں صادق ومصدوق کا ارشاد ہے۔ یہ اپنے آپ کو نقلی روایات کو رد کرنے یا منقول روایات کی تاویل باطلہ کرنے کی وجہ سے دلیل و حجت سے دور رکھتے ہیں۔ یہ کبھی سند میں طعن کرتے ہیں اور کبھی متن میں۔حالانکہ نہ یہ اس حقیقی سنت کے متبعین اور امین ہیں جو رسول ﷺ لے کر آیا ہے اور نہ ہی قرآن کے ماننے والے ہیں۔

خوارج اور اہل بدعت میں دوسرا گروہ وہ ہے جو گناہوں اور معصیتوں پر تکفیر کرتا ہے اور اس بنا پر یہ مسلمانوں کا خون اور انکے اموال کو مباح گردانتے ہیں۔وہ یہ کہتے ہیں کہ دارالاسلام دارالحرب ہے اور انکے اپنے گھر دارالایمان ہیں۔اسی طرح جمہور روافض، معتزلہ، جہمیہ اور غلو کرنے والوں کا ایک ایسا گروہ جو اپنے آپ کو حدیث، فقہ اور متکلمین کی طرف منسوب کرتا ہے، کا بھی یہی عقیدہ ہے۔"

نوٹ: خوارج سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے میری کتاب "**الإنتباه للخوارج و الحروراءِ**" ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ مُرجئة

مُرجئة مسلمانوں کا ایک ایک ایسا فرقہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان کا تعلق محض قول اور زبان سے ہے عمل کا اس میں دخل نہیں۔ ان کے نزدیک ایمان مقدم

ہے جبکہ عمل مؤخّر۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اگر وہ نماز نہ بھی پڑھیں اور روزہ نہ بھی رکھیں پھر بھی ان کا ایمان انہیں نجات دلا دے گا۔ وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے محض دعویٰ اطاعت کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ **امام ابو جعفر طبری**ؒ (۳۱۰ھ) ''تہذیب الآثار'' میں بیان کرتے ہیں کہ جب سفیان بن عیینہ سے مُرجئۃ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا:

فأما المرجئة اليوم فهم قوم يقولون: الإيمان قول بلا عمل، فلا تجالسوهم، ولا تؤاكلوهم، ولا تشاربوهم، ولا تصلوا معهم، ولا تصلّوا عليهم۔(۱)

''آج کل مرجئہ ایسے گروہ کو کہا جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ'' ایمان بغیر عمل کے محض قول کا نام ہے'' لٰہذا تم نہ تو ایسے لوگوں کیساتھ بیٹھو، نہ ان کے ساتھ کھاؤ پیو، نہ ان سے ملاقات کرو اور نہ ہی ان کے لیے دعا کرو۔''

مُرجئہ کے نزدیک ایمان فقط دل سے معرفتِ الٰہیہ کے حصول کا نام ہے۔ غالی مرجئہ کا عقیدہ ہے کہ معصیت اور اطاعت نہ نقصان پہنچاتی ہے اور نہ ہی فائدہ۔ نفسِ ایمان میں فاسق اور عاصی کا ایمان رسول ﷺ اور جبرئیل علیہ السلام کی طرح ہے۔ انہیں میں سے غیلان دمشقی ہے۔ بعد ازاں مرجئہ متعدّد فرقوں میں منقسم ہو گئے اور ہر فرقے نے دوسرے کو گمراہ قرار دیا۔(۲)

علامہ عبدالقاہر البغدادیؒ (۴۲۹ھ) نے مرجئہ کے تین گرہوں کا ذکر کیا ہے

۱۔ وہ جو ایمان اور اختیار میں ارجاء کی تعلیم دیتے تھے۔ اس گروہ میں غیلان ابو مروان الدمشقی اور ابوشمر محمد بن ابی شبیب البصری شامل تھے۔

(۱) طبری، تہذیب الآثار: ۶۹۵

(۲) عبدالقاهربغدادی، الفرق بين الفرق: ۲۰۲

۲۔ وہ جو ایمان اور جبر کے متعلق ارجاء کا عقیدہ رکھتے تھے۔

۳۔ وہ جو ایمان کو اعمال پر مقدم سمجھتے تھے۔ وہ نہ تو عقیدہ اختیار کے پیروکاروں میں شامل تھے اور نہ اہل جبر و قدر میں۔ آخر الذکر گروہ میں یونس بن عون، غسان، ابو ثوبان، ابو معاذ، اور بشر بن غیاث المریسی کے متبعین شامل ہیں۔(۱)

۳۔ معتزلہ

اس فرقہ کی اِبتدا بنو اُمیہ کے دور میں ہوئی۔ اس کا بانی واصل بن عطاء تھا جو ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوا اور ۱۳۱ھ میں ہشام بن عبد الملک کے زمانے میں فوت ہوا۔ یہ امام حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) کے درس میں بیٹھتا تھا۔(۲)

علامہ عبد الکریم الشہرستانیؒ (۵۴۸ھ) اپنی شہرہ آفاق کتاب المِلَل و النِّحَل میں معتزلہ کی اِبتداء کے بارے میں بیان کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالی علیہ ایک دن اپنے حلقۂ درس میں بیٹھے طلبا کو پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: جناب! ہمارے زمانے میں ایک ایسا گروہ (خوارج) پیدا ہوا ہے جس کا کہنا ہے کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے۔ ان کے نزدیک کبیرہ گناہ کفر ہے اور اس کا مرتکب دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ دوسرا گروہ (جو مُرجئہ کہلاتا ہے) اس بات کا قائل ہے کہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ان کے نزدیک اِیمان کے ہوتے ہوئے گناہِ کبیرہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ ان کے مذھب میں عمل اِیمان کا جزو نہیں ہے لہٰذا اِیمان کے ہوتے ہوئے اسی طرح معصیت کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے اِطاعت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ مختصر یہ کہ ان کے نزدیک اگر ایمان صحیح ہے تو گناہِ کبیرہ سے کفر لازم نہیں آتا۔ آپ ہماری اس حوالے سے

(۱) عبد القاهر البغدادی، اَلْفرق بين الفِرقْ، : ۱۹۱

(۲) ۱۔ ذهبی، ميزان الاعتدال، ۴: ۳۲۹

۲۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ۵: ۴۶۵

کیا راہنمائی فرماتے ہیں؟(۱)

امام حسن بصریؒ اس بارے میں تفکر کرنے لگے۔ابھی جواب نہیں دے پائے تھے کہ واصل بن عطاء نے خود ہی کہا۔

أنا لا أقول إنّ صاحب الكبيرة مؤمن مطلقًا ولا كافراً مطلقًا بل هو فى منزلة بين المنزلتين لا مؤمن و لا كافر. ثم قام و إعتزل إلى اُسطوانة من اُسطوانات المسجد، يقرّر ما أجاب به على جماعة من أصحاب الحسن، فقال الحسن: إعتزل عنا واصل. فسمّي هو وأصحابه معتزلة۔(۲)

''میں یہ نہیں کہتا کہ کبائر کا مرتکب مطلقًا مؤمن ہوتا ہے یا مطلقًا کافر، بلکہ وہ ان دونوں درجات کے مابین ہوتا ہے۔یعنی نہ وہ مؤمن ہوتا ہے اور نہ کافر۔ پھر وہ کھڑا ہوا اور مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کی طرف الگ ہو کر اِمام حسن بصریؒ کے تلامذہ میں اس عقیدے کی تلقین بھی شروع کر دی۔ اس پر امام حسن بصریؒ نے فرمایا: إعتزل عنا واصل یعنی واصل ہم سے الگ ہو گیا۔اسی وجہ سے اسے اور اس کے ساتھیوں کو ''معتزلہ'' کہا جاتا ہے''

علامہ ابن منظور (۷۱۱ھ) نے معتزلہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے ''لسان العرب'' میں لکھا ہے:

زَعَمُوا اَنَّهُمُ اعْتَزَلُوا فِئَتَى الضَّلاَلَة عندَهُمُ يَعْنُونَ اَهْلَ السُّنةِ وَ الْجَمَاعَةِ وَ الخَوَارِج۔(۳)

(۱) الشہرستانی، **المِلَل و النِّحَل** ۱:۶۰

(۲) ۱۔ایضاً

۲۔ذھبی، سیر اعلام النبلاء، ۵:۴۶۴

۳۔عبد القاھر البغدادی، اَلْفَرق بین الفِرق، ۲۱، ۱۱۸

(۳) ابن منظور، لسان العرب، ۱۱:۴۴۰

"یعنی ان لوگوں کا خیال تھا کہ انہوں نے بقول ان کے گمراہ فرقوں یعنی اہل سنت اور خوارج سے علیحدگی اختیار کر لی ہے"۔

واصل بن عطاء اپنے سے ما قبل کی بدعتوں سے بھی متأثر تھا۔ اس نے اپنے سننے والوں کو درج ذیل بدعتوں کی دعوت دی۔

۱۔ اُمّتِ محمدیہ ﷺ میں سے جو فاسق ہے وہ کفر اور ایمان کے دو درجات کے درمیان ہے۔(۱)

۲۔ مسئلہ قدر میں اس نے **معبد الجھنی** کی رائے کو اِختیار کیا مگر فرق صرف یہ ہے کہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کے وقوع سے قبل اُن کو جاننے والا ہے مگر اَفعالِ شر کا صدور اللہ کی مشیت اور ارادہ سے نہیں ہوتا۔ (۲)

۳۔ یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کا قائل تھا۔(۳)

۴۔ اسکے نزدیک متحارب صحابہ میں سے ایک گروہ لامحالہ فاسق ہے اور یہ کہ ان میں سے کسی کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔(۴)

معتزلہ کا دوسرا اہم مسئلہ خلقِ قرآن کا تھا۔ یہ وہ ہنگامہ خیز مسئلہ تھا جس نے ایک صدی سے زائد عرصے تک عالمِ اسلام کو جدل و مناظرہ میں اُلجھائے رکھا۔ اس کو اَوّل اَوّل الجعد بن درھم نے پیش کیا اس سے الجہم بن صفوان نے اخذ کیا اور

---

(۱) ۱۔ ذھبی، سیر اعلام النبلاء، ۵: ۴۶۴
۲۔ الشھرستانی، **المِلَل و النِّحَل**، ۱: ۶۰
۳۔ عبد القاھر البغدادی، الفرق بین الفرق، ۱۱۸

(۲) ۱۔ عبد القاھر البغدادی، الفرق بین الفرق، ۱۱۷، ۱۱۹
۲۔ الشھرستانی، الملل و النحل، ۱: ۵۸

(۳) ایضاً

(۴) ایضاً
۲۔ عبد القاھر البغدادی، الفرق بین الفرق: ۱۱۹، ۱۲۰

ہارون الرشید کے عہدِ خلافت میں بشیر المریسی نے تقریبًا چالیس سال تک اس کی باقاعدہ تبلیغ و اشاعت کی۔ ہارون الرشید اس کا مطلق حامی نہ تھا لیکن مامون نے نہ صرف اس کی حمایت و تائید کا بیڑا اُٹھایا بلکہ اس کو سرکاری عقیدہ قرار دے دیا اور اس کی مخالفت کرنے والے بڑے بڑے محدّثین وفضلاء کو سزا وتعزیر کا مستحق گردانا۔

۴۔ جَہُمِیَّہ

اس فرقہ کا بانی ابو مُحرِز جَہم بن صَفوان (۱۲۸ھ) تھا جو قدیم زمانہ کے علمائے الٰہیات میں سے تھا۔ یہ بنی راسب (جو ازد کا ایک خاندان ہے) کا مولیٰ تھا۔ان کا ذکر الحارث بن سریج کے کاتب کے طور پر آتا ہے جس نے بنو اُمیہ کے خلاف بغاوت کی تھی اور ۱۱۶ھ / ۷۳۴ء سے ۱۲۸ھ / ۷۴۵ء تک مشرقی خراسان کے ایک حصے کا بعض اوقات ترکوں کے اشتراک میں، فرمانروا بھی رہا تھا۔ حارث بن سریج کی گرفتاری سے چند روز پہلے ۱۲۸ھ میں جہم بن صفوان کو گرفتار کرکے قتل کر دیا گیا۔(۱)

جَہم بن صَفوان کے ذاتی خیالات کے حوالے سے یقیں کے ساتھ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے ھندی فرقہ سُمَنِیَّہ کے رد میں وجودِ باری تعالیٰ پر دلائلِ عقلیہ پیش کیے تھے۔(۲) اس کے علاوہ دیگر تصورات جو ان کی طرف منسوب کیے گیے ہیں وہ فرقۂ جہمیہ کے ہیں جس کا ذکر اس کی وفات کے ستّر سال بعد سننے میں آتا ہے۔(۳)

جہاں تک فرقۂ جہمیہ کے عقائد کا تعلق ہے تو انہوں نے عقیدۂ جبر کی اِنتہائی شکل کو اِختیار کیا جس کی رو سے اِنسانوں کی طرف فعل کی نسبت محض مجازی ہے جیسا کہ غروب ہونے میں سورج کا فعل محض مجازی ہے۔ اِن کا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔وہ

(۱) طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲:۱۵۷۰، ۱۵۷۷، ۱۵۸۳

(۲) احمد بن حنبل، الرد علی الجهميه، ۵:۳۱۳

(۳) طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲:۱۹۱۸

اِس بات کا اِنکار کرتے تھے کہ اللہ کے لیے کوئی مستقل صفتِ علم ثابت ہے۔ ان کے نزدیک حوادثِ دنیوی کا علم اللہ کو ان کے ظہور کے بعد ہوتا ہے۔ بالعموم وہ تمام صفاتِ الٰہیہ کے علیحدہ وجود کا اِنکار کرتے تھے۔ اسی لیے ان پر ”تعطیل“ کا اِلزام عائد کیا گیا تھا یعنی وہ اللہ کو محض ایک مجرّد ہستی ٹھہراتے تھے جس کی وجہ سے اِنہیں ”معطّلہ“ بھی کہا جاتا تھا۔ قرآن میں جو صفات جیسے ید، وجہ وغیرہ اللہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں وہ ان کی عقلی تاویل کرتے تھے۔ اِیمان کے بارے میں اِن کے عقائد مُرجئہ کے عقائد سے مماثل تھے۔(۱)

۵۔ روافض و باطنیہ

علامہ ابن جوزیؒ (۵۹۷ھ) تلبیس اِبلیس میں روافض کی اِبتداء اور ان کے عقائد کے بارے میں بیان کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں۔

کما لبس اِبلیس علی هؤلاء الخوارج حتی قاتلوا علی ابن أبی طالب. حمل آخرین علی الغلو فی حبه. فزادوه علی الحد فمنهم من کان یقول هو الآله: ومنهم من یقول هو خیر من الأنبیاء. ومنهم من حمله علی سب أبی بکر وعمر حتی إن بعضهم کفر أبا بکر وعمر۔(۲)

”جس طرح اِبلیس نے خوارج کو گمراہ کیا حتی کہ انہوں نے سیدنا علیؓ سے جھگڑنا شروع کر دیا اسی طرح اس نے بعض دوسرے لوگوں کو حضرت علیؓ کی محبت میں غلو کی وجہ سے راہِ ھدایت سے دور کر دیا۔ چنانچہ یہ لوگ حبِ علیؓ میں حدود سے

(۱) ۱۔ الأشعری، مقالات، ۱: ۲۷۹

۲۔ احمد بن حنبل، الرّد علیٰ الزّنادقة والجهمية، ۵: ۳۱۳

۳۔ ذهبی، سیر اعلام النبلاء، ۶: ۲۶

۴۔ عبد القاهر البغدادی، الفرق بین الفرق: ۲۱۱، ۲۱۲

(۲) علامہ ابن جوزیؒ، تلبیس اِبلیس: ۹۷

بڑھ گئے ان میں سے بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کو اِلٰہ اور بعض نے خیر من الأنبیا اور بعض دوسروں نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو سبّ و شتم کرنا شروع کر دیا‘‘

علامہ اِبراہیم حلبیؒ (۹۵۶ھ) غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں غالی روافض کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و أما لو کان مؤدیا الی الکفر فلا یجوز أصلاً کالغلاۃ من الروافض الّذین یدعون الاُلوھیۃ لعلی رضی اللہ عنہ أو أن النبوۃ کانت لہ فغلط جبرائیل و نحو ذالک ممّا ھو کفر و کذا من یقذف الصدیقۃ أو ینکر صحبۃ الصدیق أو خلافتہ أو یسبّ شیخین۔(۱)

’’اگر ان (روافض) کی بدعت ان کو کفر تک پہنچا دے تو پھر ان کے پیچھے نماز بالکل جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ وہ غالی روافض جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اُلوہیت کے مدعی ہیں یا جو کہتے ہیں کہ نبوت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے تھی اور جبرائیل سے غلطی ہو گئی یا اِس قسم کے اور عقائد رکھتے ہیں جو کفر ہیں یا اِسی طرح جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے یا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت یا خلافت کا اِنکار کرے یا جو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سبّ و شتم کرے۔‘‘

علامہ ابن عابدین شامیؒ (۱۳۰۶ھ) رد المحتار علی درالمختار میں روافض کے کفریہ عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لا شک فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا أو أنکر صحبۃ الصدیق رضی اللہ عنہ أو إعتقد الاُلوھیۃ في علي أو أن جبرائیل غلط فی الوحي أو نحو ذالک من الکفر الصریح المخالف للقرآن۔(۲)

(۱) حلبیؒ، غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی: ۴۸۰

(۲) ابن عابدین شامی، ردّ المحتار علی درّالمختار، ۴:۲۳۷

’’اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر قذف کرے وہ کافر ہے یا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا مانے یا جو وحی لانے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی غلطی مانے وہ کافر ہے یا جو شخص قرآن کریم کی صریح مخالفت کرے وہ کافر ہے‘‘

ہم گذشتہ اَبواب میں قدرے تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ ’’**محدثات الامور**‘‘ اور **اِحداث و بدعات** سے مراد ایسے فتنے ہیں جو اِرتداد پر مبنی ہوں اور دین کی بنیادی تعلیمات کو مسخ کرنے یا ان سے اِنکار کا موجب ہوں۔ مزید برآں ان میں سے ہر فتنہ ’’**خروج عن الاسلام**‘‘ اور ’’ارتداد‘‘ کا باعث بنے۔ اور ’’اِختلافِ کثیر‘‘ بن کر اُمت کے اِتحاد کو پارہ پارہ کر دے۔ اِحداث و بدعت کے اس مفہوم کی روشنی میں وہ لوگ جو:

- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اُلوہیت کا عقیدہ رکھیں۔
- وحی لانے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی غلطی مانیں کہ وحی تو حضرت علی پر لانی تھی مگر وہ غلطی سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لے آئے۔
- قرآنِ مجید میں تحریف یا ترمیم کا عقیدہ رکھیں۔
- جو اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر قذف کریں۔
- یہ عقیدہ رکھیں کہ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد تین چار صحابہ کے سوا سب صحابہ مرتد ہو گئے تھے۔
- جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کریں۔

ان سب کا کفر قطعی اور یقینی ہے کیونکہ مذکورہ کفریہ عقائد سے اَساسِ دین میں اِس قدر تغیر اور بگاڑ واقع ہو جاتا ہے کہ ان سے دین کی شکل بگڑ جاتی ہے جس کے نتیجے میں اِسلام سے اِخراج یا اِرتداد لازم آتا ہے۔

علامہ ابن جوزی روافض کے عقائد و احوال بیان کرنے کے بعد **باطنیہ** کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الباطنية قوم تستروا بلإسلام ومالوا إلى الرفض وعقائدهم وأعمالهم تباين الإسلام بالمرة فمحصول قولهم تعطيل الصانع وإبطال النبوة والعبادات وإنكار البعث ولكنّهم لا يظهرون هذا فی اول أمرهم. بل يزعمون أنّ الله حق وأنّ محمداً رسول الله والدّين صحيح لكنهم يقولون لذٰلك سرّ غير ظاهر وقد تلاعب بهم إبليس فبالغ وحسّن لهم مذاهب مختلفة۔(۱)

(۱) ابن جوزی، تلبیس إبلیس، ۱۰۲

''باطنیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اِسلام کو چھپاتے ہیں اور اس کے اِنکار کی طرف راغب ہیں۔ ان کے عقائد و اعمال کلی طور پر اسلام کے خلاف ہیں۔ مثلاً ان کے عقیدے کے مطابق کائنات کے خالق کی حیثیت معطل ہے۔ مزید برآں وہ نبوت، عبادات، اور بعثت کا اِبطال کرتے ہیں لیکن وہ اِبتدائی طور پر اس اَمر کا اِظہار نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ اللہ حق ہے، محمد ﷺ اللہ کا رسول ہے اور دین صحیح ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ایک سرّ اور غیر ظاہر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے انہیں دھوکے میں رکھا اور مختلف گمراہ مذاہب حسین کر کے دکھائے۔''

نوٹ: باطنیہ اور اس کے دیگر فرقِ باطلہ کی تفصیلات کے لیے الفرق بین الفرق از عبد القاہر بغدادی: ۱۱۴، مجموع الفتاوی از ابن تیمیہ، ۲۸:۴۶۸-۴۸۴ اور تاریخ المذاہب الإسلامیہ از ابوزہرہ، :۴۴-۵۹ ملاحظہ فرمائیں۔

۶۔ قدریہ

کفار و مشرکین اپنے شرک اور اَعمالِ فاسدہ کو جواز فراہم کرنے کے لیے تقدیر کا

سہارا لیتے تھے۔ایسے لوگوں کے بارے میں قرآنِ حکیم میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَوْشَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ط(۱)

’’اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی بھی چیز کی پرستش نہ کرتے، نہ ہی ہم اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اس کے (حکم کے) بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔‘‘

ان کفّار و مشرکین کا مدعا یہ تھا کہ اگر اللہ کے نزدیک ہمارے یہ اعمال ناپسندیدہ ہوتے تو وہ سختی سے ہمیں ان سے منع کر دیتا اور ہم وہ کام کرنے کے قابل نہ رہتے۔اللہ عزوجل نے اُن کے ان شبہات کا ردّ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُO(۲)

’’تو کیا رسولوں کے ذمہ (اللہ کے پیغام اور احکام) واضح طور پر پہنچا دینے کے علاوہ بھی کچھ ہے؟‘‘

اِرشادِ باری تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ اے منکرینِ حق! معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح تم گمان کرتے ہو کہ اللہ نے تمہیں ان اعمالِ باطلہ سے منع نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس اُس نے تمہیں اِن اُمور سے سختی سے منع کیا ہے اور ان سے بچتے رہنے کی تاکید کی ہے۔اس مقصد کے حصول اور پیغامِ حق کے اِبلاغ کے لیے اُس نے ہر اُمت اور اِنسانوں کے ہر طبقے میں اپنے رسول بھیجے۔(۳)

مشرکینِ قریش تقدیر کے بارے میں جھگڑا کرتے تھے اور اللہ کی عبادت اور اس کی وحدانیت کو ترک کرنے میں اسے حجت ٹھہراتے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ اور

(۱) القرآن، النحل ۱۶: ۳۵

(۲) القرآن، النحل ۱۶: ۳۵

(۳) ابنِ کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴:۱۹۳

اُمت کو قدریہ کے خیالات ونظریات سے دور رہنے اور ان سے قطع تعلقی کی تلقین کی ہے اور قدریہ کو اس اُمت کے مجوسی قرار دیا ہے۔ **اِمام أبو داؤد** (۲۷۵ھ) نے کتاب السنۃ میں نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

القدرية مجوس هذه الأمة إن مرضوا فلا تعودوهم و إن ماتوا فلا تشهدوهم۔(۱)

’’قدریہ اس اُمت کے مجوس ہیں۔ اگر یہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہونا‘‘

مسئلہ قدر پر بحث وتمحیص کا آغاز دورِ صحابہ کے آخر میں عبد الملک بن مروان بن حکم (۸٦ھ) کے عہد میں ہوا(۲)۔ پہلا شخص جس نے تقدیر پر کلام کیا **معبد الجهني** تھا(۳)۔ اِمام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ قدر پر سب سے پہلے بحث کا آغاز اہلِ عراق میں سے سوسن(۴) نامی شخص نے کیا جو پہلے نصرانی تھا پھر مسلمان ہوا اور اس کے بعد دوبارہ عیسائی ہوگیا۔ اس کے نظریات کو معبد الجہنی نے اِختیار کیا جسے عبدالملک بن مروان نے ۸۰ھ میں قتل کروا دیا تھا(۵) اور معبد الجہنی سے اس عقیدے کو غیلان بن مسلم الدمشقی نے لیا اور آگے پھیلایا۔(٦)

معتزلہ نے قدر کے حوالے سے یہ مؤقف اِختیار کیا کہ اللہ تعالی أفعال العباد کو ان کے وقوع سے قبل جاننے والا ہے لیکن أفعالِ شر اس کی مشیت اور تخلیق میں سے

(۱) ۱۔ أبو داؤد، السنن، کتاب السنة، باب في القدر، ۴:۲۲۲، رقم: ۴٦۹۱
۲۔ ابن أبي عاصم، کتاب السنة، ۱:۱۴۴
۳۔ أحمد، المسند، ۵:۴۰٦

(۲) ذهبي، سير أعلام النبلاء، ۴:۲٦۴

(۳) ابن أثير، الکامل في التاريخ، ۴:۷۵

(۴) ابن حجر عسقلاني، تهذيب التهذيب، ۱۰:۲۲٦

(۵) ذهبي، العبر في خبر من غبر، ۱:٦۸

(٦) ۱۔ اللالکائي، إعتقاد أهل السنة والجماعة، ۱:۴۲۱، رقم: ۱۳۹۸
۲۔ ابن کثير، البداية و النهاية، ۹:۳۴

نہیں ہیں بلکہ یہ فقط بندوں کے اَفعال ہیں۔ اسکے بعد قدریہ کے کئی گروہ بن گئے اور ہر فرقہ دوسرے کی تکفیر کرنے لگا۔(۱)

معتزلہ کہتے تھے کہ عدلِ اِلٰہیہ کا تقاضا ہے کہ اگر انسان کے لئے سزا اور جزا کا مستوجب ہونا ضروری ہے تو اس کا اپنے اَفعال میں آزاد ہونا بھی ضروری ہے۔(۲)

قرونِ اُولیٰ میں مستحبات اور مستحسنات پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا

قرونِ اُولیٰ میں مستحبات اور مستحسنات یعنی نیکی اور بھلائی کے اُمور پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا۔ حضور ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ہی اِحداث و بدعت کے مفہوم اور اس کے دائرے کو متعین فرما کر واضح کر دیا تھا کہ کس سطح کے اُمور مُحدثات وبدعات ہوں گے اور کون سے نہیں۔ اگر ہر نئے کام کو اس کی ماہیئت، افادیت، مقصدیت اور مشروعیت کا تجزیہ کیے بغیر بدعت قرار دے کر مذموم تصور کر لیا جائے تو عہدِ خلافتِ راشدہ سے لے کر آج تک لاکھوں شرعی، اِجتہادی اور اجتماعی فیصلے، اَحکام، مذہبی رسوم اور معاملات معاذ اللہ ضلالت و گمراہی قرار پاتے اور ہمیشہ کے لئے دینی معاملات میں اِجتہاد و استحسان اور مصالح و استصلاح کا دروازہ بند ہو جاتا جس سے لا محالہ بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کا قابلِ عمل ہونا بھی ناممکن ہوجاتا۔ پس اگر کوئی عمل نہ قرآن میں مذکور ہو اور نہ ہی رسول ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہو اور بعدازاں اُمت کے صلحاء و علماء از خود کسی نئے عمل یعنی ''بدعت مباحہ'' کو اپنالیں لیکن اس کا محرّک رضائے الٰہی کا حصول ہو تو إنما الاعمال بالنیات[۳] کے تحت یہ بدعت بھی عند اللہ مقبول اور باعث اجر و ثواب قرار پا

(۱) عبد القاهر بغدادی، الفرق بين الفرق: ۱۱۴

(۲) الشهرستانی، الملل والنحل، ۱:۵۴

(۳) ۱۔ بخاری، الصحيح، ۱: ۳، کتاب بدء الوحی، باب كيف كان بدء الوحی إلی رسول الله ﷺ، رقم: ۱

۲۔ ابوداؤد، السنن، ۲: ۲۷۲، کتاب الطلاق، باب فيما عنی به الطلاق والنيات رقم: ۲۲۰۱

۳۔ ابن ماجه، السنن، ۲: ۱۴۱۳، کتاب الزهد، باب النية، رقم: ۴۲۲۷

جائے گی، اسی کو بدعتِ حسنہ یا امرِ مستحسن کہتے ہیں۔

نیکی اور بھلائی کے چھوٹے چھوٹے اُمور پر بدعت اور اِحداث کا اِطلاق کرنا بذاتِ خود محدثۃ اور ضلالۃ ہے۔ اِسی طرح دین کے اُمورِ صالحات، نفلی عبادات اور خیرات و صدقات یہ سب نہ دین کی ضروریات میں سے ہیں اور نہ ہی ضروریاتِ دین میں اضافہ ہیں لہٰذا ایسے جملہ اُمور کو بدعت کہنا فتنہ پروری اور حکمتِ دین کے خلاف ہے، کیونکہ حضور ﷺ اور خلفاءِ راشدین نے دین میں اِحداث اور بدعت صرف فتنہء اِرتداد، فتنہء اِنکارِ زکوٰۃ اور فتنہء اِدعائے نبوت کی سطح کے اُمور کو کہا ہے اور اِس کے علاوہ دیگر تمام مستحبات و مستحسنات اور حسنات و صالحات کی تحسین کی ہے۔

ہر نئی چیز کو بدعت جان کر گمراہی پر محمول کرنا نہ صرف ایک غلط فہمی اور مغالطہ ہے بلکہ علمی وفکری اعتبار سے باعثِ ندامت اور قابلِ افسوس نقطۂ نظر بھی ہے۔ اگر بدعت کے اس مفہوم کو گمراہی کا معیار قرار دے دیا جائے تو عصرِ حاضر اور اس کے بعد ہونے والی تمام علمی و سائنسی ترقی سے آنکھیں بند کر کے ملت اسلامیہ دوسری تمام غیر دینی، باطل اور طاغوتی اقوام وملل کے مقابلے میں عاجز ومحتاج اور عصری تقاضوں سے نا بلد و نا آشنا ہو کر رہ جائے گی۔ وعدۂ خداوندی کے تحت دینِ اسلام کو تمام اَدیانِ باطلہ پر غالب کرنے اور اسلامی تہذیب وثقافت، مذہبی اقدار اور نظامِ حیات میں برتری اور اِرتقاء کے حصول کی تمام کوششیں غیر مؤثر ٹھہریں گی۔ دین کی اِسی حکمت کے پیشِ نظر قرونِ اُولیٰ میں اِجتہادی اور اِستحبابی نوعیت کے نئے اُمور پر بدعتِ ضلالت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا بلکہ ضرورت و مصلحتِ دین کے تحت ایسے اِجتہادات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔اس حوالے سے چند نظائر و واقعات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ جمع و تدوینِ قرآن کے لیے جب حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ وقت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ حالات کا تقاضا ہے کہ قرآن کو فوری طور پر ایک کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائے تا کہ اس کی حفاظت کا مستقل انتظام ہو سکے تو اِبتداءً سیدنا

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ذہن فوراً اس طرف گیا کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ میں کیوں کروں لہٰذا انہوں نے فرمایا: **کیف أفعل شیئا؟ ما لم یفعله رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم**(۱) ''میں ایسا کام کیسے کرسکتا ہوں؟ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بصیرت افروز نگاہیں اُس حکمت و مصلحت اور بھلائی کا مشاہدہ کر رہی تھیں جو جمعِ قرآن میں مضمر تھی لہٰذا انہوں نے جواب دیا: اے امیر المومنین! درست ہے کہ یہ کام ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوجوہ اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں نہیں کیا لیکن **هو و الله خير**(۲) ''یعنی اللہ کی قسم یہ بہت اچھا اور بھلائی پر مبنی ہے'' لہٰذا ہمیں اسے ضرور کرنا چاہیے۔

اس گفتگو کے دوران سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو انشراح صدر نصیب ہوا لہٰذا انہوں نے جب حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو جمعِ قرآن کے بارے میں فرمایا تو ابتدائی طور پر ان کے ذہن میں بھی وہی سوالات پیدا ہوئے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ابھرے تھے لہٰذا کہنے لگے: **کیف تفعلان شیئا؟ لم یفعله النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال: أبوبکر هو و الله خير**(۳) ''آپ وہ کام کس طرح کرتے ہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۷۲۰، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاء کم رسول، رقم: ۴۴۰۲
۲۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۶۲۹، کتاب الاحکام، باب یستحب للکاتب أن یکون امیناً عاقلاً، رقم: ۶۷۶۸
۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۲۸۳، کتاب التفسیر، باب من سورة التوبة رقم: ۳۱۰۳
۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۳، رقم: ۷۶
۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۳۶۰، رقم: ۴۵۰۶
۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۵: ۱۴۶، رقم: ۴۹۰۱

(۲) ایضاً

(۳) بخاری، الصحیح، ۴: ۱۷۲۰، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاء کم رسول، رقم: ۴۴۰۲

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے‘‘

مذکورہ حدیث مبارکہ میں اہم بات یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ **کیف تفعلان شیئاً لم یفعله النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی اس کام کے نیا ہونے کا انکار کیا ہے بلکہ ان کے سوال کے جواب میں حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ دہرائے کہ ''**هو والله خير**'' اس سے یہ ثابت ہوا کہ **قرونِ اُولیٰ میں ہر وہ نیا کام جو مبنی بر حکمت و مصلحت اور موافقِ دین ہوتا نہ صرف اسے جائز تصور کیا جاتا بلکہ ایسے اُمور کا بجا لانا سنت صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھا۔**

۲۔ اَحادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں رمضان المبارک میں تین راتیں نمازِ تراویح با جماعت پڑھائی۔ اس کے بعد فرض ہوجانے کے خوف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری زندگی گھر میں ہی پڑھتے رہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی انفرادی طور پر اپنی اپنی نمازِ تراویح پڑھ لیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اڑھائی سالہ دور خلافت میں بھی صحابہ کا یہی معمول رہا۔ جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا اور آپ نے دیکھا کہ رمضان المبارک میں لوگ مختلف شکلوں میں نمازِ تراویح ادا کر رہے ہیں۔ تو اس خیال سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے اندر مساجد کو آباد کرنے کا ذوق بھی کم ہوسکتا ہے اور اگر صورتحال یہی رہی تو عین ممکن ہے کسی وقت لوگ نمازِ تراویح پڑھنا ہی ترک کر دیں، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس قصد کو پختہ فرما کر سب کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جو حافظِ قرآن تھے نماز تراویح باجماعت پڑھنے کے لئے مجتمع فرمایا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبد القاریؒ بیان کرتے ہیں کہ میں جب دوسری رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نعم البدعة هذه والتی ینامون عنها أفضل من التی یقومون یرید

آخر الليل و كان الناس يقومون أوّله۔(۱)

”یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے اس سے بہتر وہ حصہ ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں مراد رات کا آخری حصہ تھا جبکہ لوگ پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔“

اس روایت میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود ”نعم البدعة هذه“ فرما کر واضح کر دیا کہ دین میں ہر نیا کام بدعتِ ضلالہ نہیں ہوتا بلکہ بے شمار نئے اُمور حسنہ بھی ہوتے ہیں وگرنہ آج تک اُمتِ مسلمہ کے جو اَفراد رمضان المبارک کی بابرکت راتوں میں مساجد میں نمازِ تراویح کی صورت میں اکٹھے ہوکر قرآن سنتے ہیں یہ بھی ناجائز ہوتا مگر ہمیشہ یہ امر مستحسن رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دورِ صحابہ میں مبنی بر خیر نئے اُمور کو اِستحسان کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور ہر نئے عمل پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا۔

۳۔ **اِمام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) مساجد میں نمازِ جمعہ سے قبل جو دوسری اَذان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أنّ التأذين الثانی يوم الجمعة أمر به عثمان بن عفّان حين كثر أهل المسجد۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۷۰۷، کتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۱۹۰۶

۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۴۔ بيهقی، السنن الكبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۵۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الجمعه، باب الجلوس علی المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳

۲۔ شمس الحق، عون المعبود، ۳: ۳۰۲

۳۔ واديا شی، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰۶، رقم: ۶۲۴

۴۔ شوكانی، نيل الاوطار، ۳: ۳۲۳

’’جمعہ کے دن دوسری اذان کا حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی۔

علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن ذلک أذان الجمعة الأوّل زاده عثمان لحاجة الناس إليه، و أقرّه عليٌّ واستمرّ عمل المسلمين عليه. وروی عن ابن عمر أنه قال: هو بدعة، ولعلّه أراد ما أراد أبوه في قيام شهر رمضان۔(۱)

’’اور اسی طرح جمعہ کی پہلی اذان ہے جس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر زیادہ کیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر قائم رہے اور اس پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کردیا۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جمعہ کی دوسری اَذان کے بارے میں فرمایا کہ وہ بدعت ہے۔ شاید ان کی مراد بھی وہی ہو جو ان کے والد کی قیام رمضان کے بارے میں تھی (یعنی یہ نعم البدعة ہے)‘‘

مذکورہ بالا تینوں اُمور اگرچہ حیاتِ نبوی میں موجودہ صورت میں رواج پذیر نہیں تھے لیکن چونکہ مبنی بر خیر وحکمت تھے لہٰذا صحابہ وتابعین سے لے کر آج تک اَفرادِ اُمت اِن پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں اور اِن اُمورِ حسنہ پر کسی نے بھی کبھی بدعتِ ضلالت کا اِطلاق نہیں کیا۔

تابعین اور تبع تابعین اپنے دور میں اہلِ بدعت سے اِجتناب کرتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دینِ اسلام کے خلاف اِحداث و بدعت کے مرتکبین اور فتنہ پروروں کی شدید مذمت فرمائی ہے ۔صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور تبع تابعین رحمهم الله تمام اپنے اپنے ادوار میں اَہلِ بدعت اور اَہلِ ہوا سے اجتناب کرتے تھے اور عام لوگوں کو بھی ان

(۱) ابن رجب حنبلیؒ، جامع العلوم والحکم، ۳:۲۵۲

سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ ذیل میں ہم نفسِ مضمون سے متعلق پہلے چند اَحادیثِ نبویہ پیش کریں گے پھر اس کے بعد اسی حوالے سے تابعین اور تبع تابعین کے اقوال درج کریں گے جس سے یہ حقیقت مترشح ہو جائے گی کہ اَخیارِ اُمت شروع سے ہی اہلِ بدعت سے اِجتناب کرتے چلے آ رہے ہیں۔

۱۔ **امام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) اور **امام مسلمؒ** (۲۶۱ھ) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اِرشاد نقل کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نئے فتنے پیدا کرنے والے بدعتیوں کی مذمت کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

المدينة حرم ما بين عير إلى ثور فمن أحدث فيها حدثا أو اٰوٰى مُحدِثًا فعليه لعنة الله و الملٰئكة و النّاس أجمعين لا يقبل منه يوم القيامة صرفٌ و لا عدلٌ۔(۱)

''مدینہ منورہ مقامِ عیر سے لے کر مقامِ ثور تک حرم ہے۔ جس نے اس میں کوئی فتنہ پیدا کیا یا کسی فتنہ پرور کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، قیامت کے روز نہ اس کا کوئی فرض قبول ہوگا اور نہ نفل''

(۱) ۱۔بخاری، الصحیح، کتاب الفرائض، باب إثم من تبرّأ من مواليه، ۲۴۸۲:۶، رقم: ۶۳۷۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب فضل المدینة، ۹۹۵:۲، رقم: ۱۳۷۰

۳۔ابو عوانه، المسند، ۲۳۹:۳، رقم: ۴۸۱۲

۴۔احمد بن حنبل، المسند، ۸۱:۱، رقم: ۶۱۵

۵۔ابو یعلی، المسند، ۲۲۸:۱، رقم: ۲۶۳

۶۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۹۶:۵، رقم: ۹۷۳۳

۷۔ ابو نعیم اصبہانی، المسند المستخرج علی صحیح الأمام مسلم، ۴۰:۴، رقم: ۳۱۷۳

۸۔ طیالسی، المسند، ۲۶:۱، رقم: ۱۸۴

۲۔ اِمام ابن ماجہؒ (۲۷۳ھ) نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشاد نقل کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دین میں نئے فتنے پیدا کرنے والوں کی کوئی عبادت قبول نہیں مزید برآں وہ دین سے ایسے خارج ہو جائیں گے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

لا يقبل الله لصاحب بدعة صومًا و لا صلٰوةً و لا صدقةً و لا حجًّا و لا عمرةً و لا جهادًا و لا صرفًا و لا عدلًا يخرج من الاسلام كما تخرج الشّعرة من العجين۔(۱)

''اللہ تعالیٰ کسی فتنہ پرور کا روزہ، نماز، صدقہ، حج و عمرہ اور جہاد قبول نہیں کرتا اور نہ کوئی فرضی عبادت قبول کرتا ہے نہ نفلی، بدعتی اسلام سے ایسے خارج ہو جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔''

۳۔ اِمام ابو القاسم ہبۃ اللہ لالکائی (۴۱۸ھ) نے عن ھشام بن حسّان عن الحسن کے طریق سے بھی اسی قسم کی ایک روایت نقل کی ہے۔(۲)

۴۔ امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) نے حضرت غضیف بن حرث الثمالی رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اِرشاد نقل کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنّة فتمسّک بسنّة خير

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، باب إجتناب البدع والجدل، ۱: ۱۹، رقم: ۴۹
۲۔ منذری، الترغيب و الترهيب، ۱: ۴۶، رقم: ۸۷
۳۔ کنانی، مصباح الزجاجة، ۱: ۱۰، رقم: ۱۸
۴۔ مناوی، فيض القدير، ۱: ۷۳
۵۔ مزی، تهذيب الكمال، ۲۶: ۲۷۴، رقم: ۵۵۸۳
(۲) لالكائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۸۰

من إحداث بدعة۔(۱)

’’جب کوئی قوم دین میں نیا فتنہ نکالتی ہے تو اس کے مثل ایک سنت اُٹھا لی جاتی ہے لہٰذا سنت کو مضبوط پکڑنا نیا فتنہ نکالنے سے بہتر ہے۔‘‘

۵۔ امام طبرانیؒ (۳۶۰ھ) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ حجب التوبة عن کلّ صاحب بدعة۔(۲)

’’اللہ تعالیٰ نے ہر فتنہ پرور پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔‘‘

۶۔ امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) نے ابراہیم بن میسر سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۰۵، رقم: ۱۷۰۹۵
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱:۱۸۸
۳۔ منذری، الترغیب و الترهیب، ۱:۴۵، رقم: ۸۳
۴۔ مناوی، فیض القدیر، ۵:۴۱۳
۵۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱:۲۶۶
۶۔ عبد الباقی، معجم الصحابة، ۲:۳۱۶، رقم:۸۵۵

(۲) ۱۔ ابن راہویه، المسند، ۱:۳۷۷، رقم:۳۹۷
۲۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۱:۲۱، رقم:۳۸
۳۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴:۲۸۱، رقم: ۴۲۰۲
۴۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۵۹، رقم:۹۴۵۷
۵۔ منذری، الترغیب و الترهیب، ۱:۴۵، رقم: ۸۷
۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۱۸۹
۷۔ ابن جوزی، العلل المتناهية، ۱:۱۴۵، رقم:۲۱۱

من وقّر صاحب بدعة فقد أعان علی هدم الاسلام۔(۱)

’’جس نے کسی فتنہ پرور کی تعظیم وتوقیر کی تو گویا اس نے اسلام کو گرانے پر اس کی مدد اور اعانت کی۔‘‘

۷۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

ان الذين فرقوا دينهم و كانوا شيعا انما هم اصحاب البدع و اصحاب الاهواء و اصحاب الضلالة من هذه الاُمّة. يا عائشة ان لكلّ صاحب ذنب توبة غير اصحاب البدع و اصحاب الاهواء ليس لهم توبة و انا برئ منهم و هم مِنّا برآء۔(۲)

’’جن لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور فرقوں میں بٹ گئے وہ اس اُمت کے فتنہ پرور، نفس پرست اور گمراہ طبقے ہیں۔ اے عائشہ رضی اللہ عنہا فتنہ پروروں اور خواہش پرستوں کے علاوہ ہر گنہگار کی توبہ قبول ہوتی ہے لیکن اِن کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ میں ان سے بیزار اور یہ مجھ سے بیزار ہیں۔‘‘

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۷:۳۵
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۶۱، رقم: ۹۴۶۴
۳۔ مناوی، فیض القدیر، ۶: ۲۳۷
۴۔ سیوطی، شرح سنن ابن ماجه، ۱: ۲۶۴، رقم: ۳۷۱۰
۵۔ ابو نعیم اصبهانی، حلیة الأولیاء، ۵: ۲۱۸
۶۔ ابن حجر عسقلانی، تهذیب التهذیب، ۲: ۲۸۱، رقم: ۵۶۷
۷۔ ذهبی، میزان الإعتدال فی نقد الرجال، ۲: ۷۳، رقم: ۱۳۳۱

(۲) ۱۔ أبو نعیم اصبهانی، حلیة الاولیاء، ۴: ۱۳۸
۲۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۱: ۸، رقم: ۴
۳۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۷: ۹۷
۴۔ شاطبی، الاعتصام، ۱: ۶۰

۸۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (۶۸ ھ) آیت يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (آل عمران، ۳: ۱۰۶) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

تبيضّ وجوه أهل السنّة و تسودّ وجوه أهل البدعة۔(۱)

''روشن چہرے اہل سنت کے ہوں گے اور سیاہ چہرے اہل بدعت کے ہوں گے۔''

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (۷۳ ھ) نے بھی یہی اَلفاظ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کئے ہیں۔(۲)

۹۔ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ، اِمام اَوزاعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عطا خراسانیؒ نے فرمایا:

ما يكاد الله أن يأذن لصاحب بدعة بتوبة۔(۳)

''اللہ تعالیٰ کسی فتنہ پرور کی توبہ کو قبول نہیں کرتا''

۱۰۔ یوسف بن اَسباط بیان کرتے ہیں کہ محمد بن نضر الحارثیؒ نے فرمایا:

من أصغى سمعه إلى صاحب بدعة، وهو يعلم أنه صاحب بدعة، نزعت منه العصمة، و وُكِل إلى نفسه۔(۴)

---

(۱) ۱۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۵: ۵۲۹
۲۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۴: ۱۰۷
۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۵۸۴
۴۔ سیوطی، مفتاح الجنۃ، ۱: ۶۵

(۲) ۱۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۴: ۱۰۸

(۳) ۱۔ اللالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۸۱
۲۔ ابو نعیم اصبہانی، حلية الأوليا، ۵: ۱۹۸
۳۔ مزی، تہذیب الکمال، ۲۰: ۱۱۲

(۴) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۷۸

''جو اپنے کان فتنہ پروروں کی باتیں سننے پر لگائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ وہ فتنہ پرور ہیں تو اُس سے حفاظت کا ہاتھ اُٹھا لیا جاتا ہے اور اُسے اسکے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے''

۱۱۔ امام **حسن بصریؒ** (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

لا تجالس صاحب بدعة فانّه يمرض قلبك۔(۱)

''کسی فتنہ پرور کے پاس نہ بیٹھو کیونکہ وہ تمہارے دل کو بیمار کر دے گا۔''

۱۲۔ اِسماعیل الطّوسي بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے **عبداللہ ابن مبارکؒ** (۱۸۱ھ) نے فرمایا:

يكون مجلسك مع المساكين، و إيّاك أن تجالس صاحب بدعة۔(۲)

''تیری مجلس صرف مساکین کے ساتھ ہونی چاہیے۔فتنہ پروروں کی مجالست سے بچو''

۱۳۔ **امام اُوزاعیؒ** (۱۵۸ھ) بیان کرتے ہیں کہ یحيٰی بن ابی کثیرؒ نے فرمایا:

إذا لقيت صاحب بدعة في طريق، فخذ في غيره۔(۳)

---

(۱) ۱۔ شاطبی، الاعتصام، ۱: ۸۳
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۴: ۳۷۴

(۲) ۱۔ لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۷۹
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۶۴
۳۔ ابو نعیم اصبہانی، حلیة الأولیاء، ۸: ۱۰۴

(۳) ۱۔ لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۷۹
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۶۰، رقم: ۹۴۶۲
۳۔ ابو نعیم اصبہانی، حلیة الأولیاء، ۳: ۶۹
۴۔ ذهبی، سیر أعلام النبلاء، ۶: ۲۹

’’جب تو کسی فتنہ پرور سے کبھی راستہ میں ملے تو راستے کو بدل لے۔‘‘

۱۴۔ حضرت **فضیل بن عیاض** بدعتیوں سے دور رہنے اور ان سے رابطہ نہ رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے اِرشاد فرماتے ہیں۔

لا تجلس مع صاحب بدعة، أحبط الله عمله، و أخرج نور الإسلام من قلبه. وإذا أحب الله عبدًا، طيب له مطعمه. و قال صاحب البدعة لا تأمنه على دينک، ولا تشاوره في أمرک، ولا تجلس إليه، فمن جلس إلى صاحب بدعة، ورثه الله العمىٰ. و قال فى مقام آخر إنّ للهِ ملائكة يطلبون حلق الذكر، فانظر مع من يكون مجلسک: لا يكون مع صاحب بدعة، فإن الله لا ينظر إليهم، و علامة النفاق أن يقوم الرجل و يقعد مع صاحب بدعة. و قال أدركت خيار النّاس كلهم أصحاب سنة، و ينهون عن أصحاب البدع. و قال لا يرفع لصاحب بدعة إلى الله عمل۔(۱)

’’فتنہ پرور کے پاس مت بیٹھو کیونکہ اللہ تعالی نے اس کے عمل کو ضائع کر دیا ہے اور اسلام کا نور اس کے سینے سے نکال دیا ہے۔ جب اللہ تعالی کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کی خوراک کو پاک کر دیتا ہے۔ مزید فرمایا کسی فتنہ پرور کو اپنے دین پر امین نہ بناؤ نہ اس سے مشورہ لو اور نہ اس کے پاس بیٹھو۔ کیونکہ جو کسی بدعتی کے پاس بیٹھا تو اللہ تعالی اس کا حشر اَندھوں کے ساتھ کرے گا۔ دوسرے مقام پر فرمایا اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو ہر وقت مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں لہٰذا تو اس امر پر غور کر کہ تیرا ہم مجلس کون ہے۔ بدعتی کی مجالست اِختیار نہ کر کیونکہ

(۱) ۱۔ لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۷۹-۸۰
۲۔ ابو نعیم اصبہانی، حلیة الأولیا، ۸: ۱۰۳
۳۔ ذهبی، سیر أعلام النبلاء، ۸: ۴۳۵
۴۔ قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۷: ۱۳

اللہ تعالیٰ اس پر نظرِ کرم نہیں فرماتا۔ نفاق کی علامت یہ ہے کہ کسی کی نشست و برخاست بدعتی کے ساتھ ہو۔ مزید فرمایا کہ میں نے تمام اَخیارِ اُمت کو اُصحابِ سنت پایا ہے جو کہ بدعتیوں سے مجتنب رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ فرمایا کہ بدعتی کا کوئی عمل قبولیت کے لیے اللہ کی طرف اُٹھایا نہیں جاتا‘‘

۱۵۔ علامہ ابنِ جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) بیان کرتے ہیں کہ حضرت **سفیان بن عیینہؒ** نے فرمایا:

کلّ صاحب بدعة ذليل و تلا هذه الآية ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ [اعراف، ۷: ۱۵۲]۔(۱)

’’ہر فتنہ پرور ذلیل ہے پھر استدلال میں یہ آیت پڑھی (بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنالیا ہے انہیں ان کے رب کی طرف سے غضب بھی پہنچے گا اور دنیوی زندگی میں ذلت بھی)۔‘‘

۱۶۔ **امام حسن بصری** رضی اللہ عنہ (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

’’فتنہ پرور کے چہرے پر بدعت کی وجہ سے ذلت برستی رہتی ہے، اگرچہ وہ دنیاوی شان وشوکت رکھتا ہو۔‘‘(۲)

۱۷۔ **حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ** (۱۸۱ھ) فتنہ پروروں کی ظاہری نحوست بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرماتے ہیں:

صاحب البدعة على وجهه الظلمة، و إن أدهن كل يوم

(۱) ۱۔ ابنِ جریر طبری، **جامع البیان عن تأویل أي القرآن**، ۹: ۷۰
۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۲۹۵
۳۔ آلوسی، تفسیر روح المعانی، ۵: ۷۰
(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۳۹۵

ثلاثين مرّة۔(۱)

''فتنہ پرور کے چہرے پر ظلمت چھائی رہتی ہے اگرچہ وہ دن میں اسے تیس مرتبہ ہی تر کیوں نہ کرے''

۱۸۔ اِمام اَعمشؒ بیان کرتے ہیں کہ **حضرت ابراہیمؒ** نے فرمایا:

ليس لصاحب بدعة غيبة۔(۲)

''بدعتی کی (فتنہ پروری کو واضح کرنا) کوئی غیبت نہیں ہے''

۱۹۔ اسی طرح **امام حسن بصریؒ** (۱۱۰ھ) بیان فرماتے ہیں:

ثلاثة ليست لهم حرمة في الغيبة: أحدهم صاحب بدعة الغالي ببدعته۔(۳)

''تین افراد ایسے ہیں جن کی غیبت کرنا حرام نہیں ہے۔ان میں ایک غالی بدعتی ہے جو اپنی بدعت میں بہت غلو کرنے والا ہے''

۲۰۔ مؤمل بن اِسماعیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے **حضرت سفیان ثوریؒ** (۱۶۱ھ) کو فرماتے ہوئے سنا:

المسلمون كلهم عندنا على حالة حسنة إلا رجلين: صاحب بدعة، أو صاحب سلطان۔(۴)

''ہمارے نزدیک دو افراد کے علاوہ تمام مسلمان اچھی حالت پر ہوتے ہیں ان

---

(۱) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۸۱

(۲) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۸۱

(۳) ۱۔ لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۸۱
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۱۱۰، ۹۶۶۹

(۴) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۷۸

میں سے ایک فتنہ پرور اور دوسرا اُمراء کی دریوزہ گری کرنے والا ہے‘‘

۲۱۔ آیت فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ(۱) کے تحت **علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ** (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

و استدل بعضهم بالآية على تحريم مجالسة الفاسق و المبتدعين من اى جنس كانوا، و اليه ذهب ابن مسعود و ابراهيم و أبو وائل، و به قال عمر بن عبد العزيز۔(۲)

’’بعض مفسرین نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ ہر قسم کے فسّاق اور بدعتیوں کے ساتھ بیٹھنا حرام ہے اور یہی قول عبد اللہ بن مسعودؓ، ابراہیمؒ، ابووائلؒ اور عمر بن عبد العزیزؒ کا ہے‘‘

۲۲۔ **اِمام قرطبیؒ** (۶۶۸ھ) اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عن الضحاک قال دخل فی هذه الآية كل مُحدِث فی الدّين مبتدع الى يوم القيامة۔(۳)

’’امام ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے تحت ہر وہ شخص داخل ہے جو دین میں نئی بات نکالے اور قیامت تک ہر فتنہ پرور بھی اس میں شامل ہو گیا۔‘‘

۲۳۔ **علامہ فخر الدین رازیؒ** (۶۰۶ھ) آیت اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ(۴) کی تفسیر میں امامِ تفسیر **حضرت مجاہدؒ** (۱۰۲ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال المجاهد إنّ الّذين فرّقوا دينهم من هذه الاُمّة هم أهل البدع

(۱) النساء، ۴: ۱۴۰

(۲) آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ۳: ۱۷۴

(۳) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۵: ۲۶۸

(۴) انعام، ۶: ۱۵۹

والشّبهات و اعلم انّ المراد من الآية الحثّ عن ان تکون کلمة المسلمين واحدة و ان لا يتفرّقوا فی الدّين و لا يبتدعوا البدع۔(۱)

’’حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس اُمت میں جن لوگوں نے دین کو پارہ پارہ کیا وہ فتنہ پرور اور اہل شبہات ہیں۔ آیت کا مقصود اُمت کو اِجتماعیت اور کلمۂ واحدہ پر آمادہ کرنا ہے اور یہ کہ دین میں فرقہ بندیوں اور بدعات سے احتراز کرے۔‘‘

قرونِ اولیٰ میں بدعت کا اِطلاق صرف کفریہ عقائد پر ہوتا تھا

قرونِ اولیٰ میں لفظِ بدعت کا اِطلاق صرف کفریہ عقائد پر ہوتا تھا اور اس سے مراد ایسے فِتن تھے جو دین کی بنیادی تعلیمات کو مسخ کردیں یا ان کا انکار کردیں اور یہ ارتداد پر مبنی ہوں۔ لہٰذا بدعات ضلالۃ سے مراد چھوٹے اور ہلکی نوعیت کے اختلافات نہیں بلکہ ان سے مراد اس سطح کے فتنے ہیں کہ ان میں سے ہر فتنہ ’’خروج عن الاسلام‘‘ اور ’’ارتداد‘‘ کا باعث بنے۔ آپ ﷺ کی سنت اور امرِ دین کو کاٹے اور ’’اختلافِ کثیر‘‘ بن کر اُمت میں ظاہر ہو مثلاً اگر کوئی شخص دین کے بنیادی عقائد (ایمان باللہ، ملائکہ، سابقہ نازل شدہ کتب، انبیاء، یوم آخرت، تقدیر اور بعد از موت حیات پر اِیمان) میں سے کسی کا انکار، اسلام کے اَرکانِ خمسہ (ایمان باللہ والرسول، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ) میں سے کسی کا انکار، یا ارکانِ اسلام میں کمی یا زیادتی، ختمِ نبوت کا انکار، تحریف قرآن (کمی یا زیادتی)، سنت کا انکار، کسی خارجی فتنہ کی طرح باطل مسلک کی بنیاد، جہاد کی منسوخی، سود کا جواز، وغیرہم جیسے کفریہ عقائد گھڑ لے تو اس سطح کے فتنوں کو قیامت تک کے لیے دین میں بدعاتِ ضلالۃ کہیں گے، اور یہی ایسے فتنے ہیں جن کے ماننے والوں اور پیروکاروں کو جہنم کا ایندھن بنائے جانے کی وعید سنائی گئی ہے۔

---

(۱) رازی، تفسیر کبیر، ۱۳: ۹

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرونِ اُولیٰ میں بدعت اور احداث فی الدین کا اِطلاق چھوٹے چھوٹے فروعی اور نزاعی اِختلافات پر نہیں بلکہ صرف اُن امور پر ہوتا تھا جن سے خروج عن الاسلام یا اِرتداد لازم آئے اور اُمت اِس اِحداث کی وجہ سے اِختلافِ کثیر کا شکار ہو کر آپس میں بٹ جائے اور اس کا اِتحاد پارہ پارہ ہو جائے۔ احادیث مبارکہ میں اسی بدعتِ ضلالت کو جہنم کا ایندھن کہا گیا ہے۔ لہٰذا بدعت سے مراد فقط فتنہ ِارتداد اور اس کی مختلف شکلیں ہیں جو حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد پیدا ہوئیں یا مختلف ادوار میں بعد میں پیدا ہوں گی۔ بصورت دیگر اس پر بدعت ضلالۃ کا اطلاق نہیں ہوگا۔ پس آج بھی کسی امر یا معاملہ پر بدعت ضلالۃ کا اطلاق کرنے کے لیے ارتداد ہی ایسا قاعدہ اور کلیہ ہے جس پر کسی بھی امر کو پرکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بدعت ضلالت میں شمار ہوتی ہے یا نہیں؟

لہٰذا چھوٹے چھوٹے فروعی اور نزاعی مسائل مثلاً میلاد، عرس، ایصال ثواب وغیرہ کو بدعات و گمراہی اور ''**محدثات الأُمور**'' نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان سے نہ تو خروج عن الاسلام لازم آتا ہے اور نہ ہی ارتداد، بلکہ یہ اصلاً شریعت سے ثابت ہیں۔ جبکہ ''**محدثات الأُمور**'' ان فتنوں کو کہا گیا جن کی وجہ سے اُمت میں اختلافِ کثیر پیدا ہوا، اور امت آپس میں بٹ گئی حتی کہ الگ الگ لشکر بنے، جنگیں ہوئیں اور ہزاروں افراد ان فتنوں کے باعث شہید ہوئے۔

تعجب ہے ان لوگوں پر جنھوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد اور ایصال ثواب وغیرہم جیسے اعمال حسنہ کو محدثات الأُمور اور بدعاتِ ضلالۃ قرار دیا ہے۔ کوئی اِن اُمور پر اِعتقاد رکھے نہ رکھے یہ اس کی صوابدید ہے لیکن ان کو دین میں بدعت قرار دینا حضور نبی اکرم ﷺ، صحابہ اور تابعین کی سنت سے انکار، حدیث سے انکار اور جسارت علی الرسول ہے۔ **لیس علیه أمرنا** کا بھی یہی معنی ہے، یہ درحقیقت دین کے اندر اُمور مستحبات ہیں جنہیں کسی بھی دور میں اہلِ حق نے کبھی بھی اِحداث و بدعات قرار نہیں دیا۔